سلسلۂ کلمات طیبات (۷)

اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ

روایاتُ الطَّیِّب

یعنی

بزرگانِ دارالعلوم کے نادر واقعات

(حصّہ اول)

از افاضات

فخر الاماثل حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارۂ تاج المعارف دیوبند یوپی

طبع اول ——— ایک ہزار

ستمبر ۱۹۵۴ء

قیمت مجلد ——— ایک روپیہ چار آنے

باہتمام محمد سالم قاسمی ناظم ادارہ
یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپکر

ادارۂ تاج المعارف دیوبند سے شائع ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

جناب حاجی امیر شاہ خاں صاحب اور دوسرے اکابر سے احقر نے اکابر دیوبند کے جو واقعات سُنے ان کو اسی زمانہ میں قلم بند کر لیا تھا، اور وہ ارواح ثلثہ میں بضمن حکایات مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کیرانوی و مولانا محمد نبیہ حسن صاحب ٹانڈوی شائع ہو چکے ہیں۔

عزیز مولوی محمد سالم سلمہ نے فرمائش کی کہ ان پر نظر ثانی کر کے اپنی مرویات کو الگ کر دیا جائے، تاکہ ان خصوصی روایات کا مجموعہ شائع کیا جا سکے

اس لئے اُن حکایتوں کو جو احقر کی مرویات ہیں اس زیر نظر مجموعہ کے لئے
الگ منتخب کر لیا گیا۔ لیکن ان میں متعددوہ روائتیں بھی ہیں جو مولٰنا
حبیب احمد صاحب کیرانوی کی بھی مرویات ہیں اور ارواح ثلثہ میں
انھیں کے حوالہ سے شائع ہوئی ہیں، اور اس لئے احقر نے انھیں اپنے
نام سے شائع نہیں کیا تھا۔ لیکن اس مجموعہ میں ایسی مشترک روایات
کو بھی لے لیا گیا ہے، اور چونکہ وہ مولانا ممدوح کے الفاظ میں شائع ہوئی
ہیں۔ اس لئے بجنسہ انھیں کے الفاظ میں لے لی گئیں، کیونکہ مضمون
میں کوئی فرق نہیں، بلکہ روایت بالمعنیٰ کے اصول پر مضمون واحد
ہے۔ حق تعالیٰ اس مجموعہ کو مقبول ومبارک فرمائے۔ وباللہ التوفیق

محمد طیب عفرلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۴/۱۱/۷۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روایاتُ الطیّب

اَلحمدُ للّٰہِ وکفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

سید الطائفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس اللہ سرّہٗ کی

حکایات

حکایت ① خانصاحب نے فرمایا کہ ایک شخص نے شاہ ولی اللہ صاحب، مولانا فخر الدین صاحب، مرزا مظہر جان جاناں صاحب کی دعوت کی۔ تینوں کو ایک جگہ بٹھا کر چلا گیا۔ دوپہر ڈھلے آیا اور ایک ایک ٹکہ تینوں کے ہاتھ پر رکھدیا اور یہ کہا کہ حضرت میں ایک کام کو چلا گیا، اور دعوت کا بالکل خیال نہ رہا۔ اس وقت ناوقت ہوگیا ہے، کھانے کا انتظام نہیں ہو سکتا، اس لئے کھانے کے دام دیئے گئے۔ مولانا فخر الدین صاحب نے تو اس کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ بھائی یہ بھی تمہارا احسان ہے کیونکہ اگر ہم صبح سے اس وقت تک مزدوری کرتے تب ایک ٹکہ کے مستحق ہوتے اور تم نے ہم کو آرام سے بٹھا کر ایک ٹکہ دیدیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے خاموشی کے ساتھ لے لیا اور کچھ نہ کہا۔ مگر مرزا صاحب ناخوش ہوئے اور کہا کہ تو نے ان حضرات کا وقت ضائع کیا۔ کیونکہ شاہ صاحب اس وقت تک حدیث پڑھاتے اور مولانا فخر الدین صاحب اپنے مریدوں کو فائدہ پہنچاتے۔ میں اپنی نسبت کچھ

نہیں کہتا کہ میں کیا کرتا، مگر تو نے ان حضرات کو ان دینی خدمتوں سے روک دیا۔ خبردار آئندہ
آیسا نہ کرنا۔ اس کے بعد تینوں حضرات اُٹھکر چلے آئے۔ یہ قصہ بیان فرماکر خانصاحب نے
فرمایا کہ یہ قصہ مجھ سے حضرت حاجی صاحب نے بھی بیان فرمایا اور مولانا نانوتوی نے
بھی اور مولانا گنگوہی نے بھی۔ حضرت حاجی صاحب نے تو اس قصہ کو بیان فرماکر
یہ فرمایا کہ مولانا فخرالدین صاحب کی بات بہت انکساری کی ہے اس سے چشتیت ٹپکتی ہے
اور مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی بات بڑھی ہوئی ہے کہ اُن کے
نفس نے اصلاحرکت نہ کی۔ اور حضرت گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب کی بات
بہت بڑھی ہوئی ہے عدل کا اقتضا یہی ہے جو کچھ مرزا صاحب نے فرمایا۔

(ف) اس سے اپنے حضرات کا اختلاف مذاق اور اس سے اختلاف آرا ارصاف ظاہر ہے

حکایت (۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے شاہزادہ جنات
کا سانپ کی صورت میں قتل کرنا اور اس کے بعد قاضی جنات کی عدالت میں بحیثیت مجرمانہ
پیش ہونا اور قاضی کا حدیث من قتل فی غیر زیہ فدمہ ھدر کی بنا پر مجرم کو
رہا کرنا یہ شاہ ولی اللہ صاحب کو پیش آیا تھا نہ کہ شاہ اہل اللہ صاحب کو اور انھوں نے
اس روایت کے علاوہ اس جن سے اور حدیثیں بھی سُنی ہیں جن کو شاہ صاحب نے جمع کرکے
اس کا نام مسند جن رکھا ہے اور مولانا عبدالقیوم صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے وہ مسند دیکھا بھی ہے
اس کے بعد خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی اس قصہ کو براویت شاہ عبدالغنی صاحب
شاہ اہل اللہ صاحب کی طرف منسوب کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ قصہ شاہ اہل اللہ صاحب
کا ہے نہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا۔ میں نے اس معاملہ میں مولانا سے گفتگو بھی کی مگر مولانا
اپنی رائے پر قائم رہے واللہ اعلم۔

حکایت (۳) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب جب بطن مادر میں تھے تو ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب ایک دن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور مراقب ہوئے اور ادراک بہت تیز تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تمھاری زوجہ حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے۔ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اقرار و تسلیم فرمایا اور اگر بھول گئے۔ ایک روز شاہ صاحب کی زوجہ نماز میں تھیں۔ جب انھوں نے دعا مانگی تو ان کے ہاتھوں میں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ نمودار ہو گئے، وہ ڈر گئیں اور گھبرا کر شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا ڈرو مت تمھارے پیٹ میں ولی اللہ ہے۔ پس اسی لئے اصل نام تو قطب الدین احمد رکھا گیا اور اکثر تحریرات میں اس نام کو حضرت شاہ صاحب لکھتے بھی تھے۔ اور مشہور ولی اللہ ہوا۔

(۲) حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۴) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے کسی بزرگ سے نہیں سنا صرف دیوان اللہ دیئے سے سُنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لاتے تو جنوبی دروازہ سے داخل ہوتے اور جب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لے جاتے تو شرقی دروازہ میں کو جاتے۔ جمعہ کی نماز کے بعد شرقی دروازہ کی شمالی سہ دری میں ایک بزرگ مصلیٰ بچھا کر بیٹھتے تھے اور اُن کے سامنے ایک مٹی کا لوٹا اور اس کے اوپر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی ہوتی تھی، جب مرزا صاحب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو ان بزرگ کے لاتیں مارتے اور بُرا بھلا کہتے اور ان کے نیچے سے مصلےٰ نکال کر پھینک دیتے۔ لوٹا اٹھا کر

پھینک دیتے اور یہ کہہ کے روانہ ہو جاتے لوگ اس حرکت کو دیکھکر اور مرزا صاحب کی شان کے خلاف سمجھ کر اس پر تعجب کرتے مگر دریافت کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی خاص شخص نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون بزرگ ہیں اور آپ ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ "اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم لڑکے تھے تو ہماری شکل و صورت اچھی تھی۔ ہمارے چاہنے والے ہمارے پاس آیا کرتے تھے یہ بھی ہمارے چاہنے والوں میں سے تھے اور یہ بھی ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے ساتھ یونہی ہاتھا پائی ہوا کرتی تھی جوں جوں ہم جوان ہوتے گئے ہمارے چاہنے والے رخصت ہوتے گئے۔ مگر صرف ایک یہ شخص تھا جو برابر آتا رہا۔ اب خدا نے ہمیں ہدایت کی اور ہم سلوک کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کے فضل سے صاحب اجازت ہوئے۔ ایک روز ہمیں خیال ہوا کہ یہ شخص بہت باوفا ہے اس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، میں نے جو اس کی طرف توجہ کی تو میں اس کے عکس ہی میں دب گیا اور میں نے اس کو اپنے سے بہت اونچا دیکھا اب تو میں نہایت پریشان ہوا اور میں نے اس کا نہایت ادب کیا اور اپنی جگہ اس کے لئے چھوڑی اور کہا کہ میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں آپ میری جگہ تشریف رکھیں اور میں آپ کی جگہ مگر اس نے نہ مانا میں نے نہایت اصرار کیا مگر اس نے میرے اصرار پر بھی نہ مانا اور کہا "تمھیں میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہوگا۔ جو اب تک کرتے رہے" ہو اس کو میں نے نہ مانا۔ اس پر انھوں نے میری تمام کیفیت سلب کر لی اور میں کورا رہ گیا۔ اب میں بہت پریشان ہوا اور میں نے کہا کہ میری کیفیت دیدو اس پر اس نے کہا کہ اس شرط پر واپس کرتا ہوں کہ وعدہ کرو کہ "مجھ سے ہمیشہ وہی برتاؤ کرتے رہو گے جو اب تک کرتے رہے ہو۔ اور یہاں نہیں بلکہ جامع مسجد میں سب کے سامنے"۔

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منھ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہدے اسی طرح

یہ شعر اس جگہ خانصاحب نے اپنی طرف سے پڑھا تھا میں نے ناچار اس کو منظور کیا اور اس مجبوری سے ایسا کرتا ہوں۔

حکایت (۵) ایک روز ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور مولانا فخرالدین چشتی اور حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تینوں کا ایک زمانہ تھا اور تینوں حضرات دہلی میں تشریف رکھتے تھے، ایک شخص نے چاہا کہ تینوں حضرات اتفاق سے ایک شہر میں موجود ہیں ان کا امتحان لینا چاہیئے کہ کس کا مرتبہ بڑا ہے؟ یہ شخص اول شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت کل کو آپ کی میرے یہاں دعوت ہے قبول فرماویں اور نو بجے دن کے غریب خانہ پر خود تشریف لاویں میرے بلانے کے منتظر نہ رہیں شاہ صاحب نے فرمایا بہت اچھا اس کے بعد وہ شخص مولانا فخرالدین صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ ساڑھے نو بجے (۹½) میرے بلائے بغیر مکان پر تشریف لاویں اور ماحضر تناول فرماویں۔ یہاں سے اٹھکر یہ شخص مولانا مرزا جان جاناں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ کاروبار کے سبب حاضر خدمت نہ ہو سکوں گا۔ پورے دس بجے دن کو غریب خانہ پر تشریف لے آویں۔ تینوں حضرات نے دعوت قبول فرمائی اور اگلے روز ٹھیک وقت مقررہ پر اس شخص کے مکان پر پہنچ گئے۔ اول نو بجے شاہ صاحب تشریف لائے اس شخص نے ان کو ایک مکان میں بٹھایا اور چلا گیا، ساڑھے نو بجے مولانا تشریف لائے ان کو دوسرے مکان میں بٹھایا۔ پھر دس بجے مرزا صاحب تشریف لائے ان کو تیسرے مکان میں بٹھایا۔ غرض تینوں حضرات علیحدہ علیحدہ مکان میں بٹھائے گئے کہ ایک کو دوسرے کی اطلاع بھی نہیں ہوئی۔ جب تینوں حضرات بیٹھ لئے تو یہ شخص پانی لے کر آیا ہاتھ دھلائے اور یہ کہکر چلا گیا کہ ابھی کھانا لیکر حاضر ہوتا ہوں۔ کئی گھنٹے گذر گئے اور اس شخص نے خبر نہ لی اکر بھی نہ دیکھا کہ کون گیا اور کون بیٹھا ہے، جب ظہر کا وقت قریب آگیا اور اس نے سوچا کہ

بہانوں کو نماز بھی پڑھنی ہے تو اوّل شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور شرمندہ صورت بنا کر عرض کیا حضرت کیا کہوں گھر میں تکلیف ہو گئی تھی اس لئے کھانے کا انتظام نہ ہو سکا دو پیسے نذر کئے اور کہا ان کو قبول فرمایئے، شاہ صاحب نے خوشی سے دو پیسے لے لئے اور فرمایا "کیا مضائقہ ہے بھائی گھروں میں ایسا ہو ہی جاتا ہے شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں" یہ فرما کر چلدیئے پھر یہ شخص مولانا فخرالدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی کہا جو وہاں کہا تھا، اور دو پیسے نذر کئے، مولانا نے فرمایا بھائی فکر کی کیا بات ہے اکثر گھروں میں ایسے قصے پیش آجاتے ہیں اور کھڑے ہو کر نہایت خندہ پیشانی سے تعظیم کے ساتھ رومال پھیلا دیا دو پیسے کی نذر قبول فرمائی اور رومال میں باندھکر روانہ ہوئے دونوں کو رخصت کر کے یہ شخص حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور وہی عذر بیان کر کے دو پیسے نذر کئے۔ مرزا صاحب نے پیسے تو اُٹھا کر جیب میں ڈال لئے اور پیشانی پر بل ڈال کر فرمایا "کچھ مضائقہ نہیں مگر پھر ہمیں ایسی تکلیف مت دیجیو" یہ فرما کر تشریف لے گئے۔ اُس شخص نے یہ قصہ اور بزرگوں سے بیان کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ "مولانا شاہ فخرالدین صاحب فن درویشی میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں کہ اُنھوں نے وہ نذر خندہ پیشانی کے ساتھ تعظیم سے کھڑے ہو کر قبول فرمائی۔ شاہ ولی اللہ صاحب وقار و متانت میں بڑھے ہوئے ہیں کہ نذر بھی قبول فرمائی اور اس شخص کی بے ہودگی کی داد بھی نہ دی۔ اور مرزا صاحب تنقیح حدود میں بڑھے ہوئے ہیں کہ اس کی غیر موزوں حرکت پر نکیر بھی اچھے انداز سے فرما دی اور قبول دعوت مسنونہ کے تحت نذر بھی قبول فرمالی یعنی نذر کی قبولیت کے ساتھ ملال بھی ظاہر فرمایا۔ یہ قصہ نقل فرما کر حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ کے بزرگوں کا جو بھی خیال ہو، میرے نزدیک حضرت مرزا صاحب کا درجہ بڑھا ہوا ہے کہ باوجود اس قدر نازک مزاج ہونے کے اتنا صبر و

تحمل فرمایا اور "کچھ مضائقہ نہیں" جواب عطا فرمایا۔

حکایت (۶) بے قاعدہ رکھی ہوئی چیز دیکھکر مرزا صاحب کے سر میں درد ہونے لگتا تھا، ایک دن بہادر شاہ بہت الحاح والتجا کے بعد اجازت حضوری ملنے پر زیارت کے لئے حاضر ہوا موسم تھا گرمی کا بادشاہ کو پیاس لگی اور پانی طلب کیا۔ حضرت نے فرمایا وہ گھڑا رکھا ہوا ہے پیالہ میں لیکر پانی پیو۔ بادشاہ نے پانی پیا اور پیالہ گھڑے پر رکھدیا۔ مرزا صاحب کی نظر جو گھڑے پر پڑی تو پیالہ ذرا ترچھا دھرا ہوا تھا دیر تک ترچھی نگاہ سے دیکھتے رہے آخر ضبط نہ ہو سکا فرمایا جناب آپ بادشاہت کیا کرتے ہوں گے ابھی تک خدمت گاری تو آئی ہی نہیں دیکھو تو گھڑے پر پیالہ رکھنے کا یہی طور ہے اس کے بعد مرزا صاحب نے ترشی کے ساتھ فرمایا آئندہ ہمیں ایسی تکلیف نہ دیجیو۔

حکایت (۷) ایک رات مرزا صاحب کو سردی کی وجہ سے نیند کم آئی ایک بڑھیا خادمہ کو یہ حال معلوم ہوا تو حاضر ہو کر عرض کرنے لگی اجازت ہو تو رزائی بناؤں۔ حضرت نے فرمایا بہت اچھا۔ بعد نماز عشا بڑھیا رزائی لیکر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضرت رزائی حاضر ہے آپ اس وقت چارپائی پر لیٹ چکے تھے فرمایا "مائی ہیں تو اب لیٹ رہا اٹھنا مشکل ہے تو ہی آکر میرے اوپر ڈالدے"، بڑھیا نے رزائی حضرت کو اڑھادی اور چلی گئی۔ صبح ہوئی تو مرزا صاحب نے اپنے خادم سے فرمایا "غلام علی مجھے تو تمام رات نیند آئی نہیں دیکھو تو سہی رزائی میں کوئی جوں تو نہیں ہے؟" شاہ غلام علی صاحب نے خوب غور سے دیکھا نئی رزائی تھی جوں کا کہاں پتہ ہاں جلدی میں نگندے ٹیڑھے پڑے تھے، جب ہر کارے سے خط کھینچکر درست کئے گئے تو مرزا صاحب کو آرام ملا۔

حکایت (۸) ایک روز ارشاد فرمایا کہ شاہ غلام علی حضرت مرزا صاحب کے خاص خادم تھے

جب پنکھا کرنے کھڑے ہوتے تو بہت احتیاط رکھتے تھے۔ مگر پھر بھی یہ حال تھا کہ جب ذرا بیچ بیچ پنکھا ہلتا تو حضرت فرماتے "میاں تمھارے ہاتھوں میں جان نہیں ہے؟" اور جب ذرا تیز جھلتے تو فرماتے "تو تو مجھکو اُڑا دے گا"۔ آخر ایک روز شاہ غلام علی صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ "حضرت یوں بن پڑے نہ دوں بن پڑے"۔ حضرت مرزا صاحب کو غصہ آگیا اور جھڑک کر فرمایا "ہمارا پنکھا چھوڑ دو"۔ پھر شاہ غلام علی صاحب روئے اور خطا معاف کرا کر پنکھا جھلنے کی درخواست کی۔ حضرت نے اجازت دیدی۔

حکایت (۹) ایک بار قاضی صاحب بلباس فاخرہ حاضر ہوئے ایک شیخ زادہ صاحب ہمراہ تھے شیخ صاحب کو پیاس معلوم ہوئی۔ مرزا صاحب نے گھڑے سے پانی پینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ شیخ جی نے پانی پی کر گلاس ڈھکدیا۔ مرزا صاحب نے سر پکڑ لیا اور خود کھڑے ہو کر گلاس کو گھڑے پر درست کر کے رکھا۔ اتفاق سے شیخ صاحب کا پاجامہ ایک طرف ڈھلا ہوا اور نیفہ کی چڑیا اپنی جگہ سے سرکی ہوئی تھی حضرت مرزا صاحب کی جو نظر پڑی تو پریشان ہو گئے۔ اور قاضی صاحب سے فرمایا "آپ کی ان شیخ صاحب سے کیوں کر نبھتی ہو گی جنھیں پاجامہ پہننے کا بھی سلیقہ نہیں۔ دونوں سُرین ایک ہی پائچہ میں ڈال لئے"۔

حضرت مرزا صاحب کے حجرہ سے باہر تشریف لانے کا جب وقت ہوتا تو پہلے سے شاہ غلام علی صاحب فرش کو صاف کر دیا کرتے تھے، ایک دن مرزا صاحب جو حجرہ سے باہر تشریف لائے تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا "غلام علی تجھ کو اب تک تمیز نہ آئی دیکھ تو سہی وہ فرش پر تنکا پڑا ہوا ہے جلدی اٹھا"۔

حکایت (۱۰) ایک مرتبہ کسی اور شخص نے بہت اہتمام سے لوز تیار کر کے نذر گذرانے، آپ نے رکھ لئے کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے دن اس شخص نے دریافت کیا حضرت لوز پسند بھی آئے؟

آپ خاموش ہوگئے، پھر پوچھا پھر کچھ نہ فرمایا، تیسری مرتبہ اس شخص نے پھر بھی سوال کیا اُس وقت مرزا صاحب سے ضبط نہ ہوسکا۔ فرمایا "لوز تھا یا جوتے کا تلہ" ہاتھ کی تین یا چار انگلیاں اُٹھا کر فرمایا "اتنے اتنے بڑے بھی لوز کہیں ہوتے ہونگے، ایسے انوکھے لوز تو آپ تیار کر کے لائے اُس پر طرہ یہ کہ داد بھی چاہتے ہیں میاں لوز بادام کو کہتے ہیں بادام ہی کی برابر ہونا چاہیئے کہ آدمی کھائے کے بعد ایک دو منھ میں ڈال لے۔

حکایت (۱۱) پھر ایک مرتبہ کوئی شخص لوز تیار کر کے لائے تو آپ کو پسند آئے۔ اگلے دن شاہ غلام علی کو بلا کر چند لوز عطا فرمائے اُنھوں نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے مرزا صاحب نے غایت کلفت کے ساتھ ہائے کی اور فرمایا "میاں کاغذ لاؤ اور اس میں لو" شاہ صاحب جلدی سے کاغذ لائے، مرزا صاحب نے اس میں لوز رکھ دیئے، اُنھوں نے کاغذ کی پڑیا باندھ لی پھر دوبارہ مرزا صاحب منقبض ہوئے اور سر ہاتھ سے تھام کر فرمایا "غلام علی تو مجھے مار کر چھوڑے گا بندش کا بھی سلیقہ نہیں یہ لوز اس طرح بندھتے ہوں گے"؟ اس کے بعد خود لیکر سلیقہ کے ساتھ اُن کو لپیٹا اور ہر چہار گوشے صاف ستھرے سیدھے سچے موڑ کر اُن کے حوالے کئے، اگلے دن دریافت فرمایا "کہو غلام علی لوز کھائے" اُنھوں نے کہا جی حضرت کھائے بڑے مزے کے تھے۔ آپ نے فرمایا "کتنے کھائے"؟ شاہ صاحب بولے حضرت سب کھائے اتنا سنکر مرزا صاحب بے کیف ہوگئے اور تعجب سے فرمایا "ایں سب کھائے آدمی ہو یا ڈنگر"؟۔

حکایت ۱۲ حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان اور مجاہدہ سب اسی نفاست طبع و نزاکت میں تھا۔ ایک عورت تھی نہایت بد مزاج کج خلق، منہ پھٹ۔ حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ اگر اس عورت سے نکاح کرو اور اس کی بد زبانی و ایذا دہی پر صبر کرو تو تم کو نواز لیا جائیگا حضرت نے فوراً پیام بھیجدیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ وہ عورت اس درجہ تند خو بد خصلت

سخت دل اور فحش گو تھی کہ الامان۔ حضرت مرزا صاحب خوشی خوشی دولت خانہ تشریف لے جاتے اور وہ سڑی سڑی سُنانی شروع کرتی چپکے بیٹھے سنتے رہتے زبان سے اُف نہ نکالتے اندر کھولتے آخر واپس تشریف لے آتے تھے آپ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح ہوتے ہی خادم کو حکم فرماتے کہ "جاؤ دروازہ پر حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرو اور پوچھو کوئی کار خدمت ہو تو انجام دیا جائے" بموجب ارشاد خادم آستانہ پر حاضر ہوتا اور شیخ کا سلام پہنچا کر مزاج پرسی کرتا، وہ نیک بخت بجائے جواب سلام گالیاں سُناتی اور وہ وہ مغلظات بکتی تھی کہ سُننے والے شرما جاتے تھے مگر مرزا صاحب کی خادم کو تاکید تھی کہ "دیکھو اہلیہ کی شان میں گستاخی نہ ہونے پائے کسی بات کا جواب مت دینا جو کچھ فرمائیں سُن لینا"۔ ایک روز کوئی وُلایتی خادم اس خدمت پر مامور ہوا، ہر چند اس کو تاکید تھی کہ جواب نہ دیا جائے مگر بے چارہ ضبط نہ کر سکا جب دروازہ پر پہنچکر حضرت کا سلام پہنچایا مزاج پرسی کی تو عورت نے بکنا شروع کیا۔ "پیر بنا بیٹھا ہے اُسے یوں کردوں اور ووں کردوں"۔ ہر چند کہ ولایتی نے ضبط کی کوشش کی مگر آخر کہاں تک پیر کو گالیاں نہ سُن سکا اور غصہ میں آکر کہا بس چپ رہ ورنہ گردن اُڑا دوں گا۔ اس جواب پر وہ نیک بخت اور آگ بگولا ہو گئی اب لگی ہونے تُو تُو، میں میں"۔ غل کی آواز جو مرزا صاحب کے کان میں پہنچی تو گھبرا اُٹھے اور جلدی سے ولایتی کو واپس بُلا بھیجا اس کو ہٹھایا اور فرمایا "تم ناواقف ہو"۔ دوسرے خادم کو بھیجا وہ گالیاں سنکر واپس آگیا۔ حضرت مرزا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس عورت کا نہایت مشکور و احسان مند ہوں، اس کے باعث مجھے بہت نفع پہنچا ہے اور حقیقت میں اس کی شدائد اور سختیوں کی برداشت کرتے کرتے حضرت مرزا صاحب کے اخلاق غایت درجہ مہذب ہو گئے اور آپ کا سب غیظ و غضب فرو ہو گیا تھا

حکایت (۱۳) مرزا صاحب کی نزاکت طبع کا یہ حال تھا کہ ایک شخص زیادہ کھانے والا تھا اس کو لوگ "اکول" کہتے تھے۔ مرزا صاحب کی خدمت میں جب حاضر ہوتا تو اس کی صورت دیکھکر

زیادہ کھانے کے تصور سے سر میں درد ہو جاتا اور کتنی کتنی دیر تک سر تھامے بیٹھے رہتے۔ فرش کے نیچے کوئی سنگریزہ ہوتا اور بچھونا ابھرا رہتا اس پر اگر نظر پڑ جاتی تو بے چین اور متاذی ہو جاتے تھے

۳ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح کی حکایات

حکایت (۱۴) خانصاحب نے فرمایا مجھ سے قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی اور مولوی اعلم علی صاحب مرادآبادی نے فرمایا کہ میاں صاحب (شاہ محمد اسحاق صاحب کا لقب ہے) فرماتے تھے ان العبد لیعمل بعمل اھل النار ثم یسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اھل الجنۃ ویدخل الجنۃ کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ واقعہ اس کا یہ ہے کہ نانا صاحب (شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) کے دربار میں ایک پنڈت حاضر ہوا کرتے تھے جو کہ لڑکپن کے زمانہ سے اُن کے دوست تھے ہم ان کو نانا کہا کرتے تھے اُن کا معمول تھا کہ وہ روزانہ صبح کو مدرسہ میں آتے اور کنویں پر نہاتے اور سورج پر جل چڑھاتے یہ بات ہم کو گراں تھی، مگر ادب کی وجہ سے ہم کچھ نہ کہہ سکتے اب نانا صاحب کا انتقال ہو گیا اور مدرسہ کا اہتمام ہمارے ہاتھ میں آیا اور ان پنڈت کا وہی معمول رہا مگر ہم اب بھی کچھ نہ کہہ سکے، ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ کنویں پر سورج کی طرف منھ کئے اور ہاتھ میں لٹیا لئے سورج پر جل چڑھانے کے لئے کھڑا تھا مگر چڑھایا نہ تھا۔ اتفاق سے میں پہنچ گیا میں نے اس وقت کے قاعدے سے اُسے سلام کیا۔ اُس نے مجھے دعا دی اور کہا بیٹا یہاں آؤ میں گیا تو اُس نے کہا تمھیں معلوم ہے کہ ہماری تمھارے نانا سے بچپن کی دوستی ہے اور وہ دوستی اُن کے انتقال کے وقت تک برابر قائم رہی اور آنا جانا اٹھنا بیٹھنا میل ملاپ بہت کچھ رہا۔ مگر نہ انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور نہ مجھے کبھی اس کا خیال ہوا لیکن آج آپ ہی آپ میرا دل بے چین ہے اور بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

کیونکہ میں ہمیشہ سے سورج کی پرستش کرتا ہوں، لیکن آج مجھے خیال آیا کہ جب ہم چاہتے ہیں چلتے ہیں اور جب چاہتے ہیں آرام کرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں نہیں جاتے مگر سورج ہے کہ رات دن مارا مارا پھرتا ہے نہ وہ ایک دم کے لئے ٹھیر سکتا ہے اور نہ وہ اپنی معینہ چال کے خلاف چل سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ تو ہم سے بھی زیادہ مجبور اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور ہرگز قابل پرستش نہیں۔ نیز معلوم ہوا کہ دین اسلام دین حق ہے۔ بس بیٹا تم مجھے مسلمان کرلو۔ گو میں اسلام کی باتیں جانتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ تمھارے ہاتھ پر اسلام لاؤں تاکہ تم میرے اسلام کے گواہ رہو۔ میں نے کہا آپ کو ختنہ کرانی پڑے گی۔ اس نے کہا جو کچھ تم کہو گے میں سب کچھ کروں گا۔ الحاصل میں نے اُسے مسلمان کیا اور اس کی ختنہ کرائیں۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ میرے بیٹا بیٹی نہیں ہاں پوتے نواسے ہیں۔ مگر جب میں مسلمان ہوجاؤں گا وہ سب میرے مخالف ہوجائیں گے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے یہاں رہنے کے لئے جگہ دیدو کھانے پینے کے لئے میرے پاس بہت کچھ ہے، میں نے کہا کہ اگر آپ کا جی چاہے تو مال بھی اپنے پوتوں وغیرہ ہی کو دیدیجئے میں آپ کی اپنے نانا کی طرح خدمت کروں گا۔ الغرض میں نے ان کو رہنے کو جگہ دی اور ان کی خدمت کرتا رہا وہ چالیس روز زندہ رہے اور اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا

حکایت ⑮ خانصاحب نے فرمایا کہ لوگ شاہ عبدالعزیز صاحب کو متساہل کہتے ہیں۔ مگر یہ لوگ ان مشکلات سے واقف نہیں ہیں جو شاہ صاحب کے سامنے تھیں شاہ صاحب کا زمانہ ایک نہایت سخت فتنہ کا زمانہ تھا جس میں اظہار حق نہایت دشوار تھا اس لئے شاہ صاحب ترویج دین نہایت حزم و تدبیر کے ساتھ کرتے تھے اور فتنہ انگیز عنوانات سے احتراز فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے جتنے بزرگوں کو دیکھا ہے وہ سب جتنے شاہ عبدالعزیز صاحب کے معتقد تھے اس قدر نہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے معتقد تھے اور نہ کسی اور کے حالانکہ ان

حضرات نے نہایت آزادی اور جاں نثاری کے ساتھ دین کو رائج کیا۔ بڑی وجہ اس کی یہ تھی کہ شاہ صاحب کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا وہ دین سے بالکل آشنا نہ تھے۔ ایسے لوگوں کو راہ پر لگانا سخت دشوار تھا اور شاہ صاحب نے ان کو راہ پر لگا دیا۔ یہ دلیل ہے ان کے کمالِ عقل اور حکیم کامل ہونے کی اور جن لوگوں سے مولوی اسمٰعیل صاحب وغیرہ کو واسطہ پڑا ہے یہ وہ لوگ تھے جو یا تو راہِ راست پر آچکے تھے یا کم از کم دین سے بہت زیادہ بعد نہ رہا تھا۔

اب میں اس زمانہ کے حالات دکھلاتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ زمانہ کس قدر سخت فتنہ کا تھا اور اس میں اظہار حق کتنا مشکل تھا اس زمانہ میں ایک تو روافض کا نہایت غلبہ تھا۔ چنانچہ دہلی میں نجف علی خاں کا تسلط تھا جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اُتروا کر بیکار کر دیئے تھے تا وہ کوئی کتاب یا مضمون تحریر نہ کر سکیں اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کرا دیا تھا اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کو اپنی قلمرو سے نکال دیا تھا اور یہ ہر دو صاحبان مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے اس کے بعد مولانا فخرالدین صاحب کی سعی سے زنانوں کو تو سواری مل گئی تھی اور وہ پھلت روانہ ہو گئے تھے۔ مگر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو سواری بھی نہ ملی تھی اور شاہ رفیع الدین صاحب تو پیدل لکھنؤ چلے گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے، کیونکہ نہ ان دونوں کو سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا۔ ۱۰ اور دو دفعہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا تھا اور ایک مرتبہ چھپکلی کا اُبٹن ملوا دیا تھا جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام ہو گیا تھا اور جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لو بھی لگی تھی جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی، جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے اور دوسرے مصنوعی صوفیوں کا غلبہ تھا جن کا اثر بادشاہ پر اور شاہزادوں، شاہزادیوں کے

اور عوام پر تھا اور اس وجہ سے ان کی جرأت اور گستاخی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ علماء کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے کہ او مسجد کے مینڈھے کچھ دلوا ہم رنڈی رکھیں گے، شراب پئیں گے بھنگ پئیں گے علماء کو مجبوراً دینا پڑتا تھا حتی کہ شاہ عبدالقادر صاحب بھی دیتے تھے۔ مگر وہ کہتے تھے کہ میاں صاحب لو کھانا کھالینا، لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب نے کبھی کسی کو نہیں دیا اور ہمیشہ لطائف الحیل سے پیچھا چھڑایا۔ چنانچہ اس پر ایک قصہ سناتا ہوں، یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب مولانا گنگوہی صاحب اور دوسرے بہت سے اشخاص سے سنا ہے وہ قصہ یہ ہے کہ ”قطب صاحب کا ایک مجاور دہلی میں آیا اور علماء کے پاس گیا وہ جس عالم کے پاس جاتا اس سے یہ کہتا کہ مجھ سے قطب صاحب نے فرمایا ہے کہ تم فلاں کے پاس جاؤ اور ان کو ایک ٹکہ دو اور کلاوہ اُن کے سر پر باندھ آؤ لہذا میں تعمیل حکم کیلئے آیا ہوں اور یہ کہکر وہ ٹکہ پیش کرتا اور وہ کلاوہ باندھ دیتا اور کچھ نذرانہ لیکر چلتا ہوتا۔ یہ شخص شاہ صاحب کے پاس بھی آیا اور آکر اُن سے بھی یہی کہا، مگر شاہ صاحب نے حکمت عملی سے کام لیا اور فرمایا کہ رکھدو اس وقت مجھے وضو نہیں ہے اُس نے وہ کلاوہ اور ٹکہ رکھدیا منتظر ہوا کہ شاہ صاحب کچھ دیں گے مگر شاہ صاحب نے کچھ نہ دیا۔ جب اُس نے دیکھا کہ یہ کچھ نہیں دیتے تو اُس نے کہا کہ حضرت مجھے کچھ تبرک مل جاوے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ آپ قطب صاحب کے فرستادہ تھے آپ نے تعمیل حکم کردی جب قطب صاحب مجھے حکم دیں گے میں بھی خدمت میں پیش کردوں گا وہ مجبوراً رخصت ہوگیا“۔ اب ایک اور قصہ سنئے“ اس زمانہ میں ایک صاحب مولوی نصیر الدین صاحب تھے جو مدنی الاصل قوم کے سید اور شاہ صاحب کے شاگرد تھے۔ یہ صاحب خانم کے بازار میں رہتے تھے اور نہایت خوش بیان اور ذہین عالم تھے۔

ایک مرتبہ یہ صاحب اور شاہ صاحب چاندنی چوک گئے، شاہ صاحب چونکہ نابینا تھے، اس لئے

اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے وہاں پہنچکر شاہ صاحب کو معلوم ہوا کہ ایک شور ہو رہا ہے انھوں نے مولوی نصیرالدین صاحب سے فرمایا کہ جاکر دیکھو کہ کیا شور ہے وہ گئے اور شاہ صاحب سے واپس آکر کہدیا کہ حضرت کوئی بات نہیں یونہی بے ہودہ شور ہے شاہ صاحب نے فرمایا کہ "علم شئی بہ از جہل شئے" تم جاکر اس شور کا اصل منشا معلوم کرو۔ جب شاہ صاحب نے اصرار فرمایا تو انھوں نے مجبوراً عرض کیا کہ "حضرت ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے اور اپنے عضو تناسل کو تانے ہوئے اور اس میں ڈورا باندھے ہوئے ہے، اور یہ کہہ رہا ہے کہ نعوذ باللہ یہ الف ہے اللہ کا" شاہ صاحب نے فرمایا کہ جاؤ اور اس کی کمر میں اتنی زور سے لات مارو کہ وہ گر پڑے اور کہو کہ "ادب چوت خود منڈے کیا بکتا ہے۔ (خود منڈے بے پیرے خود رو) الف خالی ہوتا ہے اور اس کے نیچے دو نقطے ہیں"۔ چنانچہ مولوی نصیرالدین صاحب نے ایسا ہی کیا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ اس فقیر کے پیچھے تالی بج گئی اور وہ خفیف ہو کر چلدیا"۔ غرض ان حکمتوں سے شاہ صاحب نے باطل کو شکست دی ہے۔ ایک اور قصہ سُنو"۔ اس زمانہ میں بد دین صوفیوں کا ایک فرقہ امام شاہی تھا جو چار ابرو کا صفایا کرتا تھا۔ اور بے ہودہ باتیں کیا کرتا، اس فرقہ کا موجد ایک شخص امام شاہ تھا۔ اور یہ فرقہ شکارپور سے نکلا تھا۔ چونکہ امام شاہ کی قبر ایک باغیچہ میں تھی اس لئے اس کے سلسلہ والے اپنا نام باغ کی مناسبت سے رکھتے تھے۔ کسی کا نام گلاب شاہ تھا کسی کا چنبیلی شاہ، کسی کا بہار شاہ وغیرہ وغیرہ۔ جب ہندوستان میں انگریزی حکومت ہوئی تو فوجیوں کی بہت قدر تھی، اور رسالداروں وغیرہ کی بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی تھیں اور اختیارات بھی وسیع ہوتے تھے، اس زمانہ میں ایک شخص نسیم خاں نام شاہجہانپور کے رہنے والے تھے جو بہت خوبصورت اور تنومند تھے اور شاعر بھی تھے چنانچہ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ نے ان کے حالات اپنے تذکرہ میں لکھے ہیں۔ یہ نسیم خاں انگریزی فوج میں رسالدار تھے اور

رخصت لے کر شاہجہانپور کو جا رہے تھے، راستہ میں ننکارپور میں قیام کیا۔ جس سرائے میں مقیم تھے اس کے سامنے ایک باغ تھا۔ جس میں امام شاہ مدفون تھا۔ اتفاق سے نسیم خاں ٹہلنے کو نکلے اور اس باغ میں پہنچ گئے اس باغ میں ایک مکان تھا جس میں امام شاہ کا سجادہ نشین رہتا تھا اور اس مکان کو اس زمانے کے محاورہ کے مطابق منڈف (بمعنی کٹی) کہا جاتا تھا اس زمانہ میں جو سجادہ نشین اس مکان میں رہتا تھا اس کا نام گلزار شاہ تھا، نسیم خاں ٹہلتے ٹہلتے جب اس مکان کے قریب پہنچے تو گلزار شاہ کو ان کے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی اور اُس نے اندر سے آواز دی کون؟ چونکہ ان کا نام نسیم خاں تھا اور اس زمانہ میں یہ عادت تھی کہ اپنا پورا نام نہ لیتے تھے اس لئے انھوں نے جواب دیا کہ نسیم۔ گلزار شاہ نے اندر سے کہا کہ نسیم ہے تو گلزار سے نہ جائے گی۔ یہ سُنتے ہی نسیم خاں پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ گلزار شاہ کے مرید ہوگئے اور چار ابرو کا صفایا کرکے فقیری اختیار کرلی۔ اور اپنے ہمراہیوں کو بلاکر اُن سے کہدیا کہ یہ جس قدر ساز و سامان ہے اس کا تم کو اختیار ہے، چاہے تم میرے گھر دیدینا اور چاہے تم خود رکھ لینا مجھے نہ اب گھر بار سے کوئی تعلق ہے اور نہ تم سے کچھ سروکار ہے، تم سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاؤ۔ میں تو یہاں رہوں گا اور بیوی کو طلاق لکھ کر اور اس پر گواہیاں کراکر اُن کے حوالے کردی اور کہدیا کہ یہ طلاق نامہ میری بیوی کے پاس پہنچا دینا۔ الغرض اُن کے ہمراہی روانہ ہوگئے اور وہ گلزار شاہ کے پاس رہ پڑے۔ گلزار شاہ کا یہ تصرف چونکہ ایک عجیب تصرف تھا اس لئے عوام پر اس کا بہت اثر ہوا اور امام شاہی سلسلہ کو بہت ترقی ہوگئی، تھوڑے دنوں کے بعد گلزار شاہ کا انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ نسیم خاں سجادہ نشین ہوگئے اور ان کی طرف بہت کچھ رجوعات ہوئی کچھ زمانے کے بعد انھوں نے سیر کی غرض سے دلّی کا سفر کیا اور دلّی پہنچکر شاہ صاحب کی خدمت میں بھی پہنچے۔ مخلوقات

کی رجوعات سے نسیم خاں کا دماغ آسمان پر پہنچ چکا تھا، اس لئے انھوں نے شاہ صاحب کی کوئی تعظیم و تکریم نہیں کی بلکہ آزادانہ ان کے پاس گئے اور جاکر اپنے محاورہ کے مطابق سلام کیا اور کہا کہ "شاہ صاحب شریعت کی قید میں کب تک رہو گے نکلو اس قید سے اور چھوڑ دو اس فقر شریعت کو" شاہ صاحب نے نہایت اخلاق سے فرمایا۔ آیئے شاہ صاحب تشریف لایئے اور اپنے پاس بٹھالیا۔ اور بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، اس کے بعد باتوں ہی باتوں میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ "میاں صاحب آپ نے قرآن بھی پڑھا ہے"؟ انھوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد پوچھا کہ "کچھ فارسی بھی پڑھی ہے"؟ اُنھوں نے کہا جی ہاں۔ پھر پوچھا کہ کچھ عربی بھی پڑھی ہے"؟ انھوں نے کہا جی ہاں میر قطبی تک پڑھی ہے، اس کے بعد پوچھا کہ کچھ گھوڑے کی سواری بھی سیکھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ پھر پوچھا فنون سپہ گری بھی سیکھے ہیں؟ اس نے کہا کہ جی ہاں پھکیتی، بکیتی اور تیر اندازی وغیرہ سب سیکھے ہیں۔ پھر پوچھا کہ آپ پہلے کیا کام کرتے تھے؟ اُس نے کہا کہ فوج میں رسالدار تھا۔ پھر پوچھا کہ قرآن کتنے زمانہ میں پڑھا اور فارسی کتنے زمانہ میں اور عربی کتنے زمانہ میں اور فنون سپہ گری کتنے عرصہ میں سیکھے اور ملازمت کتنے زمانہ کی؟ اُس نے ان تمام باتوں کا بھی جواب دیا۔ پھر پوچھا کہ اس سلسلہ میں کب سے داخل ہوئے، اُس نے اس کا بھی جواب دیا جب شاہ صاحب نے ان تمام باتوں کا اقرار لے لیا۔ تو للکار کر فرمایا کہ "فقیر سنبھل کر بیٹھ اور سُن تو نو مہینے تو ماں کے پیٹ کی قید میں رہا اور اس سے باختیار خود نہ نکل سکا اور اتنے دنوں تو ماں کے پستانوں کی قید میں رہا اور اس سے نہ نکل سکا، اور اتنے دن تک تو انگلی پکڑنے کی قید میں رہا، اور اتنے دن تو مونڈھوں کی قید میں رہا، اور اتنے دن تو قرآن کی قید میں رہا اُستاد نے تھپڑ بھی لگائے ہوں گے، قمچیاں بھی لگائی ہوں گی، مگر تو اُس قید سے نہ نکل سکا، اور اتنے دن تو فارسی

گی بیماری میں رہا اور اتنے دن تو عربی کی قید میں رہا اور اتنے دن تو کشتی کی قید میں رہا اور اتنے دن پھکیتی کی قید میں رہا اتنے دن بکیتی کی قید میں رہا اتنے دن سواری کی قید میں رہا اتنے دن تیر اندازی کی قید میں رہا اتنے دن انگریزوں کی قید میں رہا اور اب چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے پھر تو اپنے آپ کو آزاد کیسے کہہ سکتا ہے الحاصل اس عالم میں کوئی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی قید میں نہ ہو تو چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے۔ اور ہم شریعت کی قید میں ہیں مگر یاد رہے کہ تمھاری قید کچی چاندی ہے تم اس کی قیمت مانگو گے تو اس کو تپایا جائے گا اور بغیر تپائے کوئی نہ لے گا۔ اور ہماری قید پر سکۂ شاہی لگا ہوا ہے جہاں چاہیں گے بھنا لیں گے، وہ فقیر نہایت شرمندہ ہوا اور اُٹھ کر چلا گیا۔ اس قسم کے اور قصے بہت ہیں جن سے اس زمانہ کی حالت معلوم ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس زمانہ میں کس قدر ہوشیاری سے دین کو سنبھالا ہے۔

حکایت (۱۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب کے صاحبزادے مولوی یوسف صاحب فرماتے تھے کہ جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے فرمایا کہ اب ہندوستان کی سلطنت حاکموں کے ہاتھ سے نکلکر حکیموں کے ہاتھ میں آگئی ہے اُن کے ہاتھ سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ یہ روایت میں نے مولوی یوسف سے بلا واسطہ بھی سُنی ہے اور بواسطہ مولوی محی الدین خانصاحب مراد آبادی بھی سُنی ہے۔

حکایت (۱۷) خانصاحب نے فرمایا کہ چار شخص شاہ صاحب کے خاندان میں بہت سخی تھے ایک شاہ رفیع الدین صاحب ان کی نسبت سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ ان کا کیسۂ زر ہمیشہ خالی رہتا تھا۔ یہ مکان سے باہر چبوترہ پر بیٹھا کرتے تھے اور اس پر فرش نہ ہوتا تھا، بلکہ صرف چٹائی ہوتی تھی اور کبھی چٹائی بھی دے دیتے تھے اور خالی زمین پر بیٹھتے تھے، سارے

محلے کی عورتوں کا کام کیا کرتے تھے، میرے استاد میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ ایک روز شاہ صاحب عورتوں کا سودا خریدنے گئے۔ چونکہ سودے مختلف اور متعدد تھے، اس لئے اول انھوں نے سودے رومال میں باندھے جب رومال میں گنجائش نہ رہی تو کرتے میں لے جب اس میں بھی گنجائش نہ رہی اور ایک سودا باقی رہ گیا تو اسے ٹوپی میں لے لیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت دال مجھے دیدیجئے اور ٹوپی خالی کر کے اوڑھ لیجئے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں مسلمان کی ہر چیز کام میں آنی چاہیئے۔ دوسرے سخی مولانا شاہ اسحٰق صاحب تھے جب یہ اجمیر پہنچے اور مجاور انکے پیچھے لگے تو آپ نے فرمایا اسوقت تم ہمارے پاس نہ آؤ ہم پہلے زیارت کر لیں جب زیارت کر کے اپنی قیام گاہ پہنچیں اس وقت ہمارے پاس آنا، مجاوروں نے ایسا ہی کیا اور آپ کی قیام گاہ پہ پہنچے اس وقت آپ نے مجاوروں کو بلا گنے ہوئے اور لپیں بھر بھر کے روپے دیئے، یہ دیکھ کر مجاوروں نے کہا کہ ان کو کون وہابی کہتا ہے، ایسا تو اب تک کوئی بھی نہیں آیا صرف فلاں بیگم آئی تھی۔ سو اس نے بھی اتنا نہیں دیا تھا۔ یہ تو ان کا اپنے ذاتی روپے کے ساتھ برتاؤ تھا۔ اور اگر کوئی درخواست کرتا کہ حضرت فلاں شخص سے میری سفارش کر دیجیئے تو آپ بے تکلف سفارش کرتے تھے، چنانچہ فرخ آباد والے نواب کو ایک سال میں ایک ہزار سفارشی خط لکھے اور اس نے ہر خط کی تعمیل کی، آخر مجبور ہو کر عرض کیا کہ حضرت کے سفارشی والا نامے اس سال ایک ہزار پہنچے ہیں اس پر آپ نے فرمایا کہ واقعی آپ کو بہت تکلیف ہوئی، مگر میں سفارش کے بغیر رہ نہیں سکتا تم میری تحریروں پر عمل نہ کیا کرو۔ مولانا گنگوہیؒ نے یہ قصہ بیان فرما کر فرمایا کہ اپنی اپنی طبیعت ہے، چنانچہ مولوی محمد یعقوب صاحب کی طبیعت اس کے خلاف بھی اور وہ کبھی کسی کو سفارشی خط نہ لکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس میں دو تکلیفیں ہوتی ہیں اگر

سفارش نہ کی جاوے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے جو خواہانِ سفارش ہے اور سفارش کیجاوے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے جس سے سفارش کی جاتی ہے لیکن چونکہ طالب سفارش کی تکلیف کا منشا، خود اس کی طلب ہے، اور جس سے سفارش کی جاتی ہے اس کی تکلیف محض بلاوجہ۔ اس لئے میں طالب سفارش کی تکلیف کو اس کی تکلیف پر ترجیح دیتا ہوں جس سے سفارش کی جاوے۔ اور یہ بیان فرما کر مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ میرا مذاق بھی وہی ہے جو مولانا محمد یعقوب صاحب کا تھا اور میں بھی سفارش نہیں کرتا تیسرے سخی مولوی اسمٰعیل صاحب شہید تھے مگر ان میں بہ نسبت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے کچھ انتظامی شان تھی۔ چوتھے سخی مولانا اسمٰعیل صاحب کے صاحبزادے مولوی محمد عمر صاحب تھے یہ پوری کھوج کھوؤ اور گھر کھوؤ تھے، اُن کی حالت یہ تھی کہ اگر کوئی ٹوپی مانگتا تو ٹوپی دیدیتے اس کے بعد کہتے کہ لو یہ عمامہ بھی لے جاؤ۔ پھر کہتے کہ اچھا یہ کرتہ بھی لے لو حتیٰ کہ پاجامہ بھی دیدیتے تھے۔

حکایت (۱۸) خانصاحب نے فرمایا کہ جب شاہ صاحب کا تحفہ (رسالہ تحفۂ اثنا عشریہ) لکھنؤ میں پہنچا ہے تو لکھنؤ کے نواب نے جو اس وقت برسرِ حکومت تھا مجتہدین شیعہ سے درخواست کی کہ اس کا جواب لکھا جاوے مجتہدین میں سے دلدار علی خاں نے جواب کا بیڑا اٹھایا لیکن تحفہ کی زبان چونکہ بے نظیر تھی اس لئے مرزا قتیل سے درخواست کی گئی کہ مضامین قبلہ و کعبہ لکھیں اور آپ ان کو اپنی عبارت میں ادا کردیں تاکہ مضامین کا جواب مضامین سے اور عبارت کا جواب عبارت سے ہوجاوے، مگر قتیل نے عذر کیا اور کہا کہ میں شاہ صاحب کی سی فارسی عبارت لکھنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کی تائید میں اُس نے بیان کیا کہ دلّی میں ایک رنڈی سے میری آشنائی ہے اور میں نے نہایت دماغ سوزی سے اور اپنی پوری قابلیت صرف کرکے اُسے ایک خط لکھا تھا، وہ رنڈی خط کو دلّی کے تمام لائق فائق لوگوں کے پاس لیگئی

اور درخواست کی کہ اس کا جواب لکھدیا جاوے مگر اس کے جواب کا کسی نے اقرار نہیں کیا مجبور ہوکر وہ اس خط کو شاہ صاحب کی خدمت میں لے گئی اور ظاہر کیا کہ میں تمام جگہ پھر چکی ہوں مگر کسی نے جواب کی حامی نہیں بھری اب میں مجبور ہوکر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں حضور اس کا جواب لکھدیں، شاہ صاحب نے خط سنتے ہی فی البدیہ اس کا جواب لکھوادیا وہ خط چھ مہینے سے میرے پاس رکھا ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کا جواب لکھوں مگر اب تک مجھ سے اس کا جواب نہیں ہوسکا۔ اب آپ غور فرمالیں کہ میں تحفہ کی عبارت کا جواب کس طرح دے سکتا ہوں۔ جب قتیل نے عذر کیا تو ناچار قبلہ و کعبہ نے خود ہی جواب لکھا اس جواب کو نواب صاحب نے مرزا قتیل کے سامنے پیش کیا اور پوچھا کہ بتلایئے کیا جواب ہے مرزا قتیل نے اس کو دیکھکر کہا کہ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو عرض کروں، نواب صاحب نے فرمایا کہ "فرمایئے"۔ مرزا قتیل نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ قبلہ و کعبہ سے تو اپنی کتاب کا نام بھی رکھنا نہ آیا، شاہ صاحب تو تحفہ پیش کرتے ہیں اور قبلہ و کعبہ تحفہ کا جواب تلوار سے دیتے ہیں (مرزا قتیل کے اس اعتراض کا منشا، یہ تھا کہ قبلہ و کعبہ نے اپنی کتاب کا نام "ذوالفقار" رکھا تھا) اس کے بعد قبلہ و کعبہ نے فرمایا کہ اچھا عبارت کی نسبت کچھ فرمایئے، قتیل نے کہا کہ حضور کہاں جائس کا جولاہہ اور کہاں دلی کی سیڑھیوں کا بیٹھا ہوا شہدہ (یہ قتیل نے اس لئے کہا کہ قبلہ و کعبہ جائس کے تھے اور جائس کے جولاہے مشہور ہیں)۔

حکایت (۱۹) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے درمیان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق اختلاف تھا شاہ عبدالعزیز صاحب تو یہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے اور دل گواہی دیدے کہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ہیں تو خواہ کسی شکل میں دیکھے اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا، اور
شاہ رفیع الدین صاحب یہ فرماتے تھے کہ جو صورت آپ کی واقعی تھی اگر اس میں بال برابر
بھی تفاوت ہے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا مثلاً اگر آپ کے
بیس ۲۰ بال سفید تھے اور دیکھنے والے نے اکیس ۲۱ دیکھے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ اور اس کی دلیل یہ بیان فرماتے تھے کہ اگر صحابہ کے زمانہ میں کوئی شخص
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا دعویٰ کرتا تو صحابہ اس سے حلیہ
دریافت کرتے اور بغیر اس کے تصدیق نہ کرتے، اور اس بارہ میں دونوں بھائیوں میں
تحریریں ہوئی ہیں لیکن زبانی گفتگو کبھی نہیں ہوئی۔ بلکہ اگر کسی وجہ سے مجلس میں اس کا تذکرہ بھی
چھڑ گیا اور شاہ عبدالعزیز صاحب اس مسئلہ پر تقریر فرمانے لگتے تو شاہ رفیع الدین صاحب
بالکل خاموش سنتے رہتے تھے اور اصلاً نہ بولتے تھے (خانصاحب نے فرمایا کہ کسی نے شاہ رفیع الدین
صاحب سے کہا کہ آپ شاہ صاحب سے تحریری گفتگو کرتے ہیں ایک دفعہ دونوں بیٹھ کر زبانی گفتگو کیوں
نہیں کر لیتے تو شاہ رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ سہی لیکن میرے پاس میاں کا جواب
نہیں اگر شاہ صاحب نے یوں فرمایا کہ میں یوں کہتا ہوں تو میرے پاس اس کا جواب نہیں ہے، یہ فرما کر
خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات زبانی گفتگو کے متعلق سوال کرنے کی مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی سے
سنی ہے) خانصاحب نے فرمایا کہ میاں جی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کا اس
مسئلہ میں ایک تیسرا مسلک تھا، وہ یہ فرماتے تھے کہ اگر دیکھنے والے نے آپ کو اس زمانہ کے اتقیاء
کی وضع میں دیکھا ہے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور اگر اس
وضع کے خلاف وضع میں دیکھا ہے تو نہیں دیکھا۔

حکایت (۳۰) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب بیان فرماتے تھے

کہ شاہ عبدالعزیز صاحب ایک مرتبہ کھانا کھانے کے لئے زنانہ مکان میں تشریف لے گئے تھے اور کچھ لوگ آپ کے انتظار میں مدرسہ میں بیٹھے ہوئے تھے اتفاق سے شیخ عبدالوہاب نجدی کا ذکر چھڑ گیا۔ ان میں سے دو آدمیوں میں اس کے متعلق مناظرہ ہونے لگا۔ ایک نے شیخ عبدالوہاب کی مذمت اور تفسیق وتکفیر شروع کی دوسرے نے ان کی تعریف وتحسین۔ اور خوب گفتگو ہوئی۔ ان میں سے ایک مذمت کرنے والے نے یہ بھی کہا کہ عبدالوہاب بددین تھا اور اس نے ابن تیمیہ اور ابن القیم مردودوں اور بددینوں کے دین کو چمکانا چاہا، اتنے میں اتفاق سے شاہ صاحب بھی مکان سے تشریف لے آئے شاہ صاحب ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اس شخص نے جو شیخ عبدالوہاب کا مخالف تھا شاہ صاحب سے کہا کہ حضرت میں تو کہتا ہوں کہ عبدالوہاب کافر تھا اور ایسا تھا ویسا تھا اور اس نے ابن تیمیہ اور ابن القیم جیسے بددینوں کے دین کو رواج دینا چاہا۔ شاہ صاحب نے اس کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی منہ پر انگلی رکھی اور فرمایا ہاہا اور دیر تک ایسا ہی کیا (مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہایت بری ہے تم ایسا نہ کہو) اس کے بعد بیٹھ کر فرمایا کہ " شیخ عبدالوہاب بھی نہایت سچا اور پکا مسلمان اور متبع سنت تھا، مگر بدعقل اور ابن تیمیہ وابن القیم بھی نہایت سچے اور پکے مسلمان تھے۔ مگر بشر تھے اُن سے غلطی ممکن ہے اور اس غلطی کی بناء پر ان کو برا بھلا کہنا ہرگز نہیں چاہیئے۔ اُس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حجۃ الوداع میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا تھا جس سے مقصود تعلیم افعال طواف تھی اور اس حالت میں آپ کی اونٹنی نے نہ جگالا نہ مینگنیاں کیں اور نہ پیشاب کیا، پس حرمت مسجد بھی محفوظ رہی اور مقصود تعلیم بھی حاصل ہو گیا۔ شیخ عبدالوہاب اپنی غلطی سے اونٹنی پر طواف کو سنت سمجھ گیا اور انھوں نے اپنے اتباع سمیت اونٹوں پر طواف کیا جس سے تمام مسجد مینگنیوں اور پیشاب سے بھر گئی

سو گویہ ان کی غلطی تھی مگر اس کا منشاء اتباع سنت تھا اس لئے ان کو بُرا کہنا نہ چاہیئے۔

حکایت (۲۱) فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس ایک جہاز راں انگریز آیا اور کہا کہ میں نے سُنا ہے آپ کو ہر فن میں دخل ہے جہازرانی بھی کچھ آپ کو آتا ہے شاہ صاحب نے جو بعض پرزوں کے حالات بیان کئے ہیں تو وہ اس کو بھی یاد نہ تھے۔ اس کو حیرت ہوگئی۔ پوچھا تو فرمایا کہ بچپن میں اس فن کی ایک کتاب دیکھی تھی اس میں سے ہی کچھ یاد ہو گیا تھا۔

حکایت (۲۲) فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دو قوال آئے ان میں کسی راگنی میں اختلاف تھا اور شاہ صاحب کو حکم بنایا دونوں نے شاہ صاحب کے سامنے گایا۔ شاہ صاحب نے ایک کی تصویب کی اور دوسرے کا تخطیہ اور بتلادیا کہ یہ خرابی ہے ان کو بڑا تعجب ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب ہم مکتب میں جاتے تھے تو ہمارے راستہ میں ایک ڈوم نے بالاخانہ کرایہ لے رکھا تھا۔ ہم آتے جاتے سُنا کرتے تھے اسی سے ہم نے کچھ معلوم کیا تھا جو ہمیں یاد ہے۔

(۴) مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ کی حکایات

حکایت (۲۳) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات جو میں اس وقت لکھوانا چاہتا ہوں میں میں نے صدہا آدمیوں سے سنی ہے اور اس کے آخر میں مولوی محمود الحسن صاحب کا کچھ اضافہ ہے اس کو بھی اس کے آخر میں لکھواؤں گا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اگر عید کا چاند تیس ۳۰ کا ہونے والا ہوتا، تو شاہ عبدالقادر صاحب اول روز تراویح میں ایک سیپارہ پڑھتے اور اگر انتیس ۲۹ کا چاند ہونیوالا ہوتا تو اول روز دو سیپارے پڑھتے، چونکہ اس کا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے شاہ عبدالعزیز صاحب اول روز آدمی کو بھیجتے تھے کہ دیکھ کر آؤ

میاں عبدالقادر نے آج کے سیپارے پڑھے ہیں اگر آدمی یہ آگر کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس ہی کا ہوگا یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں۔ اس میں مولوی محمود حسن صاحب یہ اضافہ فرماتے تھے کہ یہ بات دلی میں اس قدر مشہور ہوگئی تھی کہ اہلِ بازار اور اہلِ پیشہ کے کاروبار اس پر مبنی ہوگئے تھے، مثلاً اگر شاہ عبدالقادر صاحب پہلے روز دو سیپارے سناتے تھے تو لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اب کے عید کا چاند انتیس [۲۹] کا ہوگا اور درزی دھوبی وغیرہ انتیس [۲۹] رمضان تک کپڑوں کی تیاری کے لئے کوشش کرتے تھے اور انتیس [۲۹] کو حتی الامکان کام پورا کردیتے تھے اور اگر اول روز ایک سیپارہ سناتے تو سمجھ لیتے کہ چاند تیس [۳۰] کا ہوگا اور تیس [۳۰] تاریخ تک تیاری کا اہتمام کرتے۔

حکایت (۲۴) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات بھی میں نے صدہا لوگوں سے سُنی ہے اور اپنے سب بزرگوں سے بھی سُنی ہے اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری اور مولوی ماجد علی صاحب اور مولوی احمد علی خیرآبادی سے بھی سُنی ہے کہ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب جس روز خود کتاب لے کر جاتے اس روز شاہ عبدالقادر صاحب سبق پڑھاتے تھے اور جس روز کتاب خدمت گار کے ہاتھ لوا کر لاتے اس روز سبق نہ پڑھاتے۔

حکایت (۲۵) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں نے صدہا سے سُنی ہے، مگر خاص یہ بات میں نے مولانا نانوتوی سے سنی ہے وہ فرماتے تھے کہ اس خاندان کے دو غبی ہیں۔ ایک شاہ عبدالقادر صاحب اور ایک مولانا اسحٰق صاحب مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خاندان کے لوگ علوم دینیہ جیسے حدیث تفسیر فقہ وغیرہ خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے۔ چنانچہ ایک روز جس وقت پڑھ کر

جا رہے تھے ابھی وہ شاہ صاحب تک پہنچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ ایک
بوریا مسجد سے باہر ڈال دو اور ایک مسجد کے اندر اور جب فضل حق اور صدر الدین آئیں تو
ان کو وہیں بٹھلادو۔ بوریے حسب الحکم بچھادیئے گئے اور جب وہ دونوں آگئے تو اُن کو وہیں
بٹھلادیا گیا، جب ان کے آنے کی شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی تو شاہ صاحب تشریف لائے
اور آکر اپنے بوریے پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین آج سبق
پڑھانے کو تو جی نہیں چاہتا، یوں جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولیوں کی خرافات میں گفتگو ہو،
انھوں نے فرمایا کہ حضرت جیسے حضرت کی خوشی ہو اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا
یہ بتلاؤ کہ متکلمین کا کونسا مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور ہو انھوں
نے عرض کیا کہ متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ہی ہیں مگر فلاں مسئلہ تو بہت ہی کمزور ہے
اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ہم متکلمین کا اور گفتگو کریں
انھوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا اس پر گفتگو ہوئی اور شاہ صاحب نے دونوں کو عاجز کردیا
اس کے بعد فرمایا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ فلاسفہ کا کونسا مسئلہ کمزور ہے اس پر اُنھوں نے عرض کیا
کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ہے اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو
اور ہم فلاسفہ کا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شاہ صاحب نے اب بھی ان کو چلنے نہیں دیا۔ جب ہر طرح
ان کو مغلوب کردیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین تم
یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی بلکہ ہم نے ان کو ناقص اور واہیات سمجھ کر ان کو چھوڑ دیا ہے
مگر انھوں نے ہمیں اب تک نہیں چھوڑا وہ اب تک ہماری قدمبوسی کیے جاتے ہیں۔ یہ قصہ بیان فرما کر
خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے تو یوں سُنا ہے کہ یہ گفتگو مولوی فضل حق
صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب دونوں سے ہوئی تھی، مگر مولوی احمد علی خیرآبادی

اور مولوی ماجد علی یہ فرماتے تھے کہ اس گفتگو میں صرف مفتی صاحب تھے اور مولوی فضل حق صاحب سے گفتگو نہ ہوئی تھی۔

حکایت (۲۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب نے بیان فرمایا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا معمول تھا کہ کسی کی تعظیم نہ دیتے تھے مگر سید کی تعظیم دیتے تھے خواہ سنی ہو یا شیعہ، ایک رئیس تھا شیعی اُس کے یہاں شاہ عبدالقادر صاحب کی اس عادت کا تذکرہ ہوا جن لوگوں نے ذکر کیا وہ سنی تھے اس پر وہ رئیس بولا کہ میں شاہ صاحب کی خدمت میں چلتا ہوں اگر انھوں نے میری تعظیم دیدی تو میں سُنّی ہو جاؤں گا۔ اور اس سے میرے سید ہونے کی بھی تصدیق ہو جائیگی اور یہ کہکر وہ شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ ہو گیا اور جو لوگ اس وقت اس کے یہاں موجود تھے وہ بھی اس کے ساتھ ہوئے اس رئیس نے سب سے کہدیا کہ میرے ساتھ چلیں کوئی شخص مجھ سے آگے نہ جاوے جب وہ شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچا تو حسب عادت شاہ صاحب نے اس کی تعظیم دی، اس نے کہا کہ حضرت آپنے میری تعظیم کیوں دی آپ نے فرمایا کہ تمھارے سید ہونے کی وجہ سے اس نے کہا کہ میں تو شیعی ہوں آپ نے فرمایا کیا مضائقہ ہے اس پر اس نے کہا کہ آپ شیعوں کی بھی تعظیم دیتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ سید اگر شیعی بھی ہوتا ہے تو اس کی تعظیم دیتا ہوں، اس نے کہا اس کی کیا وجہ آپ نے فرمایا اگر قرآن شریف کاتب کی غلطی سے غلط لکھا جاوے تو اس کو قرآن کہیں گے گو یہ بھی کہیں گے کہ وہ غلط ہے اس پر وہ سُنّی ہو گیا اور جتنے اس کے ساتھ شیعہ تھے وہ بھی سُنّی ہو گئے۔ اور جب اس کی خبر اور شیعوں کو ہوئی تو اور بھی چند شیعہ سُنّی ہو گئے اور اس رئیس نے بہت دھوم کے ساتھ مٹھائی بانٹی۔

حکایت (۲۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا کہ اور قصہ سُناتا

ہوں اکبری مسجد جس میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے اُس کے دونوں طرف بازار تھا۔
اور اس مسجد میں دونوں طرف حجرے اور سہ دریاں تھیں ان میں سے ایک سہ دری میں شاہ
عبدالقادر صاحب رہتے تھے اور اپنے حجرے سے باہر سہ دری میں ایک پتھر سے کمر لگا کر بیٹھا کرتے
تھے بازار کے آنے جانے والے آپ کو سلام کیا کرتے تھے سو اگر سُنّی سلام کرتا تو آپ سیدھے ہاتھ
سے جواب دیتے تھے اور اگر شیعی سلام کرتا تو الٹے ہاتھ سے جواب دیتے تھے، یہ بیان کر کے
مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا میں کیا کہدوں - المومن ینظر بنور اللہ

حکایت (۲۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب، مولوی محمود پھلتی، مولوی
اعلم علی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں کسی شخص پر جن آیا اُس
کے قرابت دار اس کو شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ غلام علی صاحب اور دوسرے بزرگوں کے
پاس لے گئے اور سب نے جھاڑ پھونک گنڈے تعویذ کئے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا - اتفاق سے شاہ
عبدالقادر صاحب اس وقت دہلی میں تشریف نہ رکھتے تھے، جب شاہ صاحب تشریف لائے تو
ان کی طرف رجوع کیا، شاہ صاحب نے جھاڑ دیا وہ اسی روز اچھا ہو گیا - جب شاہ عبدالعزیز
صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھا میاں عبدالقادر تم نے کونسا
عمل کیا تھا، اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت میں نے تو صرف الحمد پڑھ دی تھی، اس پر شاہ صاحب نے
دریافت فرمایا کہ کسی خاص ترکیب سے - انھوں نے فرمایا کہ ترکیب کوئی خاص نہیں فقط یا
جبار کی شان میں پڑھ دی تھی - (ف میں نے خانصاحب سے اس جملہ کا مطلب پوچھا اُنھوں
نے فرمایا کہ مطلب میں بھی نہیں سمجھا، راویوں نے یہی الفاظ فرمائے تھے)

حکایت (۲۹) فرمایا کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ میں ایک شخص کو دیکھا
جس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا تھا - آپ نے بعد وعظ اس سے کہا کہ ذرا ٹھہر جائیے مجھے آپ سے

کچھ کہنا ہے، خلوت میں بٹھا کر یوں فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے کہ میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے اور حدیث میں یہ یہ وعیدیں آئی ہیں اور آپ اپنا پاجامہ دکھلانے کے لئے کھڑے ہو گئے، اور فرمایا کہ خوب غور سے دیکھنا کہ کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم ہے، اس شخص نے شاہ صاحب کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ حضرت آپ کے اندر تو یہ عیب کیوں ہوتا البتہ میرے اندر ہے مگر اس طرح سے آج تک مجھے کسی نے سمجھایا نہیں تھا۔ میں اب تائب ہوتا ہوں، انشاء اللہ آئندہ ایسا نہ کروں گا، ہمارے اکابر کا ہمیشہ سے یہی معمول رہا ہے کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے، نہایت احترام سے اس کو نصیحت کرتے ہیں تشدد نہیں کرتے اور بعض میں جو اس کا شبہ ہوتا ہے وہ حدت ہے شدت نہیں ہے حدت کے باب میں تو حدیث میں آیا ہے لیس احد ادنیٰ من صاحب القرآن فی جوفہ (کذا فی المقاصد الحسنۃ) جسکی حقیقت غیرت ہے لوگ حدت اور شدت میں فرق نہیں کرتے حدت اور ہے شدت اور ہے، حدت لوازم ایمان سے ہے، مومن بہت غیرت مند ہوتا ہے، مثلاً اگر کوئی کسی کی بیوی کو چھیڑے تو غصہ آتا ہے اب اگر دیکھنے والا یہ کہے کہ یہ تو بہت تیز مزاج ہے تو اس سے یہ کہا جائیگا کہ کم بخت کچھ نہ کہنا تو بے غیرتی ہے، اس لئے دیندار کو خلاف دین پر تحمل نہیں ہوتا

(۵) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۳۰) جناب خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے، اثناء وعظ میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ مولوی صاحب ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو؟ آپ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ میاں تم نے غلط سنا ہے میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ بڈھانہ پھلت اور خود دلی میں ہنوز موجود ہیں اور یہ فرما کر پھر وعظ

شروع کر دیا۔

حکایت (۳۱) خانصاحب نے فرمایا حکیم ضیاء الدین رامپوری کے چچا مولوی محمد حسن صاحب کو میں بچپن سے جانتا ہوں کیونکہ میں نے اپنے استاد میانجی محمدی صاحب سے ان کے بہت سے حالات سُنے ہیں مولوی صاحب موصوف مولوی اسمٰعیل صاحب شہیدؒ اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے شاگرد تھے۔ ان کا قصہ حضرت گنگوہیؒ سے سُنا ہے کہ جب سید صاحب کا قافلہ جہاد کو جاتے ہوئے سہارنپور پہنچا تو مولوی محمد حسن صاحب اُن سے سہارنپور آ کر ملے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ اس کا خیال رکھا جاوے کہ مولوی محمد حسن کسی صاحب کے مکان پر یا کسی دوکان پر کھانا نہ کھائیں میں ان کو اپنے ساتھ کھلاؤں گا۔ مولوی محمد حسن نہایت نازک مزاج اور نازک طبع تھے، جب کھانے کا وقت آیا اور مولوی صاحب مولانا شہیدؒ کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تو ایک ہی نوالہ لینے پائے تھے کہ مولانا شہید نے زور سے ناک سنکی۔ مولوی صاحب کھانے سے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور چلے گئے، مولانا شہید نے اُن کے اٹھ جانے کی مطلق پروانہ کی اور اپنے خدام سے فرمایا کہ اب اس کا زیادہ خیال رکھا جاوے کہ یہ کہیں کھانے نہ پائیں۔ خدام نے ایسا ہی کیا۔ جب دوسرا وقت ہوا اور کھانا کھانے بیٹھے تو مولانا نے پھر زور سے سِنکا مگر مولوی محمد حسن اُس وقت نہ اُٹھے جب وہ اُٹھے تو مولانا نے رینٹ کو ان کے سامنے انگلیوں سے ملا اس پر ان سے نہ رہا گیا اور یہ کہکر کہ مولانا کیا کرتے ہو۔ فوراً اُٹھ کے چلے گئے، مولانا نے اپنے خدام کو پھر ہدایت کی کہ دیکھو ان کو ہرگز کہیں کھانا نہ کھانے دینا۔ جب تیسرا وقت ہوا تو پھر کھانا کھانے بیٹھے۔ مولانا شہید نے پھر زور سے سنکا اور ہاتھ سے رینٹ کو ملتے ہوئے ان کے کھانے کی طرف کو لیگئے اُنھوں نے اپنا پیالہ مولانا کے سامنے کر دیا اور کہا کہ اب تو اگر آپ اس میں ملا بھی دیں گے تب بھی کھالوں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ بس اب علاج ہو گیا۔

خدام سے کہا کہ پانی لاؤ اور پانی منگا کر ہاتھ دھو ڈالے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے یہ اس لئے کیا تھا کہ تم جہاد کو جا رہے ہو اور جہاد میں نازک مزاجی نہیں نبھ سکتی۔

حکایت (۳۴) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا اسمٰعیل صاحب شہید دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ ان کے ساتھ بہت زور شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے (یہ سنا بھی یاد پڑتا ہے کہ اہل بدعت کی طرف سے وعظ میں کھنڈت ڈالنے ہی کے لئے یہ صورت اختیار کی گئی تھی کیونکہ وعظ رد بدعات پر ہو رہا تھا اور لوگ متأثر ہو رہے تھے)، مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی اور انھوں نے یہ کہا کہ مولانا آپ کیا کر رہے ہیں۔ اٹھئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی تعظیم دیجئے مولانا اس پر بھی نہ اُٹھے۔ اس پر لوگوں کو اور اشتعال آیا۔ اور انھوں نے اور سختی سے کہا۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ اوّل تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں پھر میں اس وقت بحیثیت نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض تبلیغ انجام دے رہا ہوں لہذا میں نہیں اُٹھ سکتا۔ اس جواب کو سنکر اور شغب ہوا اور فساد تک نوبت پہنچی مگر چونکہ مولانا کے ساتھ بھی فدائی بہت تھے اس لئے فسادنے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی اور صرف زبانی ہی تُوتُو میں مَیں تک قصہ رہ گیا۔ یہ زمانہ اکبر شاہ ثانی کا تھا اور اکبر شاہ اس خاندان کا بہت معتقد تھا لوگوں نے جاکر بادشاہ سے حضرت مولانا کی بہت شکایتیں کیں۔ اس قصہ کو یہاں چھوڑ کر ایک دوسری بات عرض کرتا ہوں، شاہ عالم کے وقت میں جو معاہدہ انگریزوں سے ہوا تھا۔ اس میں بادشاہ کے اختیارات قلعہ اور شہر اور اس کے اطراف اور قطب صاحب اور اس کے اطراف تک محدود تھے۔ لیکن اکبر شاہ کے وقت میں یہ اختیارات صرف قلعہ اور شہر تک رہ گئے تھے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد

اب پھر قصہ بیان کرتا ہوں - جناب مولانا کی بادشاہ تک ترکا یتیں پہنچیں - تو بادشاہ نے مولانا کو بلوایا اور ان سے حوض کے واقعہ کی تفصیل دریافت کی - مولانا نے پورا واقعہ بیان فرمادیا اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تبرکات مصنوعی ہیں اور ان کی تعظیم ہمارے ذمہ نہیں ہے اکبر بادشاہ نے کسی قدر تیز لہجہ میں کہا کہ عجیب بات ہے کہ آپ اُن کو مصنوعی کہتے ہیں۔ مولانا نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کہ میں تو کہتا ہی ہوں مگر آپ اس کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں اور معاملہ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔

اکبرشاہ نے تعجب سے کہا یہ کیسے مولانا نے فرمایا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لئے نہیں تشریف لے گئے، یہ سُنکر اکبرشاہ چپ رہ گیا، اس کے بعد مولانا نے کسی سے فرمایا کہ ذرا قرآن شریف اور بخاری شریف لاؤ - چنانچہ وہ دونوں لائے گئے، اور آپ نے ان کو ہاتھ میں لیکر واپس کرایا اور اس کے بعد یہ تقریر فرمائی کہ ان تبرکات میں اول تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی۔ لیکن اگر ان کو واقعی مان بھی لیا جائے تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں بلکہ ان میں محض تلبس سے شرف آیا ہے، لیکن قرآن شریف کے کلام اللہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، علیٰ ہذا بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے، اس لئے اس کا کلام رسول ہونا بھی ناقابلِ انکار ہے اور کلام اللہ و کلام رسول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوڑھی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہوسکتا مگر باوجود ان تمام ناقابل انکار باتوں کے کلام خدا و کلام رسول تمھارے سامنے آیا مگر تم لوگوں نے ان کی کوئی تعظیم نہ دی، بلکہ برابر اسی طرح بیٹھے رہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم ان کے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے۔

بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں۔ اس مضمون کو مولانا شہید نے نہایت بسط اور واضح
تقریر میں ادا فرمایا۔ جب مولانا تقریر فرمار ہے تھے تو بادشاہ گردن جھکائے ہوئے خاموش
بیٹھا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اسی سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ بادشاہ ہاتھوں
میں اور پاؤں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھا اور اس کے پاس ایک شاہزادہ بیٹھا ہوا
تھا جس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی مجھے اس شاہزادہ کا نام بھی یاد تھا مگر اب یاد نہیں
رہا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ شاہزادے تو چکنا گھڑا ہے کہ پچاس برس شاہ عبدالعزیزؒ
کا وعظ سنا مگر اب تک داڑھی نہیں رکھوائی اور بادشاہ کی نسبت بھی کچھ فرمایا جو مجھے
یاد نہیں رہا اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہزادے نے داڑھی رکھوالی اور بادشاہ نے کڑے اُتار ڈالے

حکایت (۳۳) خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے حکیم خادم علی صاحب اورنگ آبادی سے سُنا
ہے کہ ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید اور آپ کے کچھ ساتھی جن میں میں بھی تھا شکار کے لئے
چلے قطب صاحب کے پرلی طرف میل بھر کے فاصلہ پر ایک گشائیں رہتا تھا جو کہ مرتاض تھا
اس کے چیلے اُس کے پاس رہتے تھے اس کی کٹی کے اطراف میں مور بہت زیادہ تھے۔
ہندوؤں کے نزدیک مور بہت عظمت کی چیز ہے مولانا نے بندوق سے ایک مور کا شکار کرلیا
اس پر اس گشائیں کے چیلوں میں ایک شور مچ گیا اور گوشائیں سمیت سب کے سب مولانا
اور ان کے ہمراہیوں سے لڑنے کے لئے آئے۔ مولانا کے ہمراہی بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر اُدھر
کو چلے۔ مولانا نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار جبتک میں اجازت نہ دوں تم کچھ نہ بولنا
اور فرمایا تم ذرا نرمی کرو انشاءاللہ ہم مور اس کو کھلا کر چلیں گے۔ اور یہ کہکر مولانا مسکراتے
ہوئے گوشائیں کی طرف بڑھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ گشائیں صاحب ذرا میری بات
سن لیجئے اس کے بعد جو آپ کے جی میں آئے کیجئے ہم آپ کے پاس موجود ہیں کہیں جاتے

ہیں ہیں غرض اس قسم کی نرم گفتگو سے اس کو نرم کیا، اس کے بعد آپ نے مناسب طور سے اُسے اسلام کی دعوت دی اور دونوں جانب سے دیر تک اس معاملہ میں گفتگو رہی اس کے بعد وہ گوشائیں اور اس کے اکثر ہمراہی مشرف باسلام ہوئے اور کچھ لوگ گوشائیں کو بھی اور مولانا کو بھی بُرا بھلا کہتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ مولانا نے رات کو گوشائیں کے پاس آرام فرمایا اور مور پکوا کر اس کو کھلایا۔ خادم علی فرماتے تھے کہ یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے اور میں بھی اس وقت مولانا کے ساتھ تھا۔

حکایت (۳۴) خان صاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب نے فرمایا کہ ایک مجذوب دِلّی کی جامع مسجد کے پیچھے کی دوکانوں میں سے ایک دوکان میں رہتا تھا اور اس زمانہ کے لوگ اس کے نہایت معتقد تھے اور وہ مجذوب کبھی کبھی جامع مسجد کی ان سیڑھیوں پر آبیٹھتا تھا جو دریبہ کی جانب ہیں اور اس کی شکل اس قدر ہیبت ناک تھی کہ اکثر لوگ اس کے خوف سے اس طرف کا راستہ چلنا چھوڑ دیتے تھے اور وہ اپنی کوٹھری میں بھی اور سیڑھیوں پر بھی شیر کی طرح غرّایا کرتا تھا، رات کے وقت تو اس کی کوٹھری میں کوئی کبھی گیا ہی نہیں اگر کسی کو کچھ عرض و معروض کرنی ہوتی تو بہت ڈرتے ڈرتے سیڑھیوں ہی پر کچھ کہہ لیتا تھا۔ وہ مجذوب لوگوں کو مارتا بھی تھا اور اینٹیں بھی پھینکتا تھا مولانا اسمٰعیل شہید نے ایک روز اُس کی دوکان میں جانے کا امادہ کیا، احباب نے منع کیا مگر اُنھوں نے کسی کی نہ سنی اور دوکان میں پہنچ گئے، مجذوب مولانا کو دیکھکر اس قدر زور سے غرّایا کہ کبھی اس قدر نہ غرّایا تھا مخالفین تو بہت خوش ہوئے کہ آج ان پر مجذوب کی مار پڑے گی اور یا تو مر جائیں گے یا دیوانہ ہو جائیں گے یا اور کوئی بلا نازل ہو گی، مگر کچھ بھی نہ ہوا بلکہ وہ مجذوب تھوڑی دیر تو غرّایا، لیکن اس کے بعد اس کا غرّانا موقوف ہو گیا اور دونوں کی باتوں کی

آواز آنے لگی، نتیجہ یہ ہوا کہ دو گھنٹہ کے بعد مولانا اس کو نکال لائے اور باہر لا کر نماز پڑھوادی اس کے بعد سے اُس کی یہ حالت ہوئی کہ برابر نماز پڑھنے لگا اور غرّانا وغیرہ سب موقوف ہوگیا مگر کسی قدر دیوانگی باقی رہی۔

حکایت (۳۵) خان صاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ ایک شخص ٹُمے لوگوں میں سے جن کا نام تو یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ ان کو منشی صاحب کہتے تھے، انھوں نے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید سے اپنے یہاں مردانہ میں وعظ کہلایا۔ وعظ میں مولانا کی حالت تھی کہ جو تڑاق پڑاق اُن کے وعظ میں ہوتی تھی اس وعظ میں نہ تھی بلکہ لہجہ نہایت کمزور تھا مولوی رستم خاں بریلوی جو مولانا کے خازن اور نہایت جان نثار تھے اُن سے اُن منشی صاحب نے دریافت کیا کہ آج مولانا کی آواز اُبھرتی کیوں نہیں اس کا کیا سبب ہے چونکہ منشی صاحب مخلص تھے اور پوچھا بھی اصرار سے، اس لئے انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اس ضعف لہجہ کا سبب یہ ہے کہ مولانا پر تین وقت سے فاقہ ہے اور انھوں نے تین وقت سے کچھ نہیں کھایا ہے منشی صاحب یہ سُنکر اُٹھے اور مولانا سے کہا کہ مولانا اب وعظ موقوف فرما دیجئے۔ مجھے اور بھی ضروری کام ہیں، وعظ موقوف ہوگیا اور وہ مولانا کو الگ ایک مکان میں لے گئے۔ وہاں اُن کے سامنے کھانا رکھا، مولانا یہ دیکھکر مسکرائے اور فرمایا منشی جی تم سے کسی نے کہدیا ہے، مگر میں کھانا نہ کھاؤں گا۔ انھوں نے پوچھا حضرت کیوں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھیوں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے اور میں ان سے الگ نہیں کھانا کھا سکتا، انھوں نے ساتھیوں کو بھی بُلا لیا اور سب کو کھانا کھلایا اور کئی وقت تک دعوت کی۔

حکایت (۳۶) خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے میاںجی محمدی صاحب اور حکیم خادم علی صاحب اور مولوی سراج احمد صاحب خورجوی اور میاںجی رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی

ذوالفقار علی صاحب دیوبندی اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری سے سنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ جب مولانا اسمٰعیل صاحب کے وعظوں کا زور شور ہوا تو اس زمانہ میں فدا حسین رسول شاہی کا بھی زور شور تھا۔ فدا حسین مذکور سر سید کی نانی کا بھائی تھا اور نہایت بددین صوفی تھا اور اس قدر با اثر تھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک لائق شاگرد مولوی عبداللہ کو اور شاہ غلام علی صاحب کے ایک خاص مرید کو بھی تباہ کر چکا تھا۔ مولانا نے فدا حسین مذکور کے فتنہ کو دور کرنے کی کوشش کی اور اس کے مریدوں کے پاس پہنچکر اور اُن کو پکڑ پکڑ اور فدا حسین کے جلسوں میں جا جا کر امر بالمعروف کرنا شروع کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ فدا حسین کے کئی مرید تائب ہو کر مولانا کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اس پر فدا حسین کے مریدوں کو بہت صدمہ ہوا، اور وہ سب اکٹھے ہو کر فدا حسین کے پاس آئے اور فدا حسین سے کہا کہ آپ مولانا پر تصرف کیوں نہیں کرتے، فدا حسین نے اپنے سارے مجمع کو بٹھا کر ان سے یہ بات کہی کہ "خبردار! مولانا سے کبھی نہ الجھنا، دیکھو اگر بادشاہ یہ حکم دے کہ میرے قلمرو میں رات کے دس بجے کوئی شخص تنہا یا بلا روشنی کے نہ نکلے اور پولیس کو حکم کر دے کہ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے تو اسے گرفتار کر لو تو پولیس والے اس حکم کی تعمیل میں ہر ایسے شخص کو گرفتار کر کے حوالات کر دیں گے، جو خلاف حکم شاہی رات کے وقت تنہا یا بلا روشنی کے جا رہا ہو خواہ بادشاہ کا دوست ہو یا کوئی اور۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ نمک حرام اور شاہی مجرم ہیں۔ اب اگر وہ شخص بادشاہ کا مقرب ہونے کے زعم میں ان پولیس والوں کی مزاحمت کرے تو اس کی یہ مزاحمت بادشاہ سے مقابلہ سمجھی جائے گی۔ پس ایسی حالت میں اس کا فرض ہے کہ وہ پولیس والوں کی اطاعت کرے اور ان سے

مزاحمت نہ کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو جب بادشاہ کے سامنے پیش ہوگا بادشاہ اُسے خود رہا کر دے گا۔ تو جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ مولانا حق تعالیٰ کے مامور ہیں اُن سے مزاحمت کرنا حق تعالیٰ سے مزاحمت کرنا ہے اس لئے تم ان کی مزاحمت نہ کرو بلکہ حق تعالیٰ سے آشنائی پیدا کر لو جب تم اس کے سامنے پیش ہو گے وہ خود تم کو رہا کر دے گا۔ پس تم خبردار مولانا سے کبھی نہ اُلجھنا۔

حکایت (۳۷) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے میرے استاد میاں جی محمدی صاحب نے اور حکیم خادم علی صاحب نے اور عبدالقیوم صاحب نے اور ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں نے بیان کیا کہ فدا حسین جب اکبری مسجد کے نیچے سے نکلتا جس میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے تو بھاگ کر نکلتا تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو اُس نے کہا کہ جب میں اس مسجد کے نیچے آتا ہوں تو جو کچھ میرے قلب میں ہوتا ہے سب سلب ہو جاتا ہے اور جب مسجد کی حد سے خارج ہو جاتا ہوں پھر آجاتا ہے۔

حکایت (۳۸) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی عبدالقیوم صاحب داماد جناب مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ تحصیل سکندرآباد ضلع بلندشہر میں جو شاہ صاحب کے خاندان کے گاؤں تھے ان کی تحصیل کے لئے مولانا اسمٰعیل صاحبؒ شہید جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب بیمار ہو گئے اس لئے اس مرتبہ مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کے چھوٹے بیٹے کو بھیجنا چاہا اور چونکہ مولوی اسمٰعیلؒ صاحب کو دیہات کے حالات معلوم تھے کیونکہ وہ تحصیل کے لئے جایا کرتے تھے اس لئے ان سے دیہات کے حالات پوچھے تاکہ تحصیل میں آسانی ہو

مولانا نے تمام واقعات وحالات بتلا دیئے اور یہ بھی بتلادیا کہ میں آتے جاتے غازی آباد میں فلاں بھٹیاری کے یہاں ٹھہرا کرتا ہوں (اور بھٹیاری کا پورا پتہ بتلادیا) اور اس کو اس قدر دیا کرتا ہوں تم بھی وہیں ٹھہرنا اور اس سے یہ کہہ دینا کہ میں اسمٰعیل کا بڑا بھائی ہوں۔ مولوی موسیٰ یہ ہدایت لے کر روانہ ہوگئے اور بھٹیاری کے یہاں پہنچے اس نے ان کی بھی اسی طرح خاطر کی جس طرح وہ مولانا کی کیا کرتی تھی، رات کے وقت اس نے مولوی موسیٰ کی چارپائی کے نیچے دو لوٹے پانی کے اور ایک چٹائی اور ایک جانماز رکھدی۔ مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم یہ سامان کیوں کرتی ہو، نہ لوٹوں کی ضرورت ہے اور نہ چٹائی کی اور نہ جانماز کی۔ جب صبح ہوگی مسجد میں جاکر نماز پڑھ لیں گے بھٹیاری نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا اور کہا کہ میں تو تمھاری صورت دیکھکر ہی سمجھ گئی تھی کہ تم مولوی اسمٰعیل کے بھائی نہیں ہو۔ (کیونکہ یہ شاہ صاحب کے خاندان میں سیاہ فام تھے) اور اب تو تمھارے اس کہنے سے یقین ہوگیا۔ مولوی اسمٰعیل بھی صبح کی نماز مسجد ہی میں پڑھتے تھے مگر وہ تھوڑی دیر سوکر اٹھ بیٹھتے اور وضو کرکے صبح تک نفلوں میں قرآن پڑھتے رہتے تھے اور تم کہتے ہو کہ مجھے پانی وغیرہ کی ضرورت نہیں اور یہ بھی کہتے ہو کہ میں ان کا بڑا بھائی ہوں۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم بڑے بھائی ہو تو ان سے عابد بھی زیادہ ہوگے، مگر تم کچھ بھی نہ نکلے۔ مولوی موسیٰ کہتے تھے کہ میں بھٹیاری سے یہ بات سنکر مارے شرم کے پانی پانی ہوگیا اور مجھے کوئی جواب نہ بن آیا

حکایت (۳۹) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں نے اپنے کسی بزرگ سے نہیں سُنی مگر حکیم عبدالسلام صاحب فرماتے تھے کہ میرے عقیقہ میں سید صاحبؒ مولوی اسمٰعیل صاحبؒ اور مولوی عبدالحی صاحبؒ بھی شریک تھے، مولوی عبدالحی صاحبؒ نے

وعظ فرمایا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اوقات میں بھی برکت عطا فرماتا ہے اور جو کام کئی روز میں نہیں ہو سکتا وہ اس کو چند گھنٹوں میں کر لیتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں اور یہ مضمون اس انداز سے بیان فرمایا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خود مولانا کو بھی یہ کرامت حاصل ہے اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے متعلق تو صراحت کے ساتھ فرمایا کہ یہ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں، اس بنا پر لوگ مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کو لپٹ گئے اور کہا کہ حضرت ہم کو بھی اس کرامت کا مشاہدہ کرا دیجئے، چنانچہ گومتی کے پل پر لوگ اکٹھے ہوئے اور مولانا نے ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر دیا۔ یہ قصہ بیان فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ میرے زمانہ میں سید صاحب اور مولوی عبدالحیؒ صاحب کے دیکھنے والوں میں سے کوئی شخص زندہ نہیں تھا جس سے میں اس واقعہ کی تصدیق کرتا، مولوی عبدالقیوم صاحب بے شک زندہ تھے اور اس عاجز پر عنایت بھی بے حد کرتے تھے، مگر ان سے اس کی تصدیق کا موقع نہیں ملا۔ مگر مولوی محمود پھلتی نے اس قصہ کو سُنکر اس کی تصدیق کی۔

حکایت (۴۰) خان صاحب نے فرمایا کہ جو قصہ میں اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں یہ میں نے بہت سے لوگوں سے سُنا ہے اور غالباً ان بیان کرنے والوں کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی۔ اس لئے میں سب کے نام تو نہیں لکھواتا۔ صرف چند آدمیوں کے لکھواتا ہوں۔ حکیم خادم علی صاحب، مولوی سراج احمد صاحب، قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی، مولانا گنگوہی، مولانا نانوتوی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن مظفر نگری، مولوی عبدالقیوم صاحب، میانجی محمدی صاحب ان سب سے میں نے سُنا ہے، مگر مجھے جو بسند

منقصل یہ قصہ پہنچا ہے تو اس میں اور دوسرے لوگوں کی روایت میں آخیر میں ذرا سا فرق ہے۔ اب میں قصہ سناتا ہوں۔ (یہ تمہید ہے قصہ کی) حاجی منیر خانصاحب رئیس خان پور ان لوگوں میں سے ہیں جن کی ولایت پر خود ان کی صورت شاہد تھی اور اس کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہ تھی، یہ صاحب مولوی محمد یعقوب (مولوی محمد اسحاق صاحب کے چھوٹے بھائی) سے بیعت تھے۔ جب مولانا اسحاق صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب نے ہجرت کی ہے تو یہ سانڈنی پر مولانا محمد یعقوب صاحب کے ردیف ہو کر قطب صاحب تک ساتھ گئے تھے یہ فرماتے تھے کہ میں نے راستہ میں مولوی محمد یعقوب صاحب سے ان کے خاندان کے بزرگوں کے حالات پوچھے انھوں نے ان کے حالات بیان فرمائے اور فرمایا کہ فلاں ایسا ہے اور فلاں ایسا ہے، مولانا اسحٰق صاحب کی نسبت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا ہے تاکہ لوگ اُن سے ملکر فرشتوں کی قدر کریں اور مولوی اسمٰعیل جیسا عالی ہمت اور بلند حوصلہ اس خاندان میں کوئی پیدا نہیں ہوا اُن کے وعظوں کی وجہ سے دلّی کے شہدے اور بدمعاش آپ کے یہاں تک دشمن ہو گئے تھے کہ اُن کے قتل کی فکر میں تھے اس لئے ہم لوگ ان کی بہت حفاظت کیا کرتے تھے (اصل قصہ یہاں سے شروع ہوتا ہے)

"ایک مرتبہ وہ عشاء کی نماز جامع مسجد پڑھکر اس دروازہ میں کو چلدیئے جو قلعہ کی جانب ہے، میں نے لپک کر ان کو پکڑا اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ میں اس وقت تمھیں تنہا نہ جانے دوں گا۔ اگر تم کہیں جاؤگے میں تمھارے ساتھ جاؤں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں ایک خاص ضرورت سے جارہا ہوں تم مجھے جانے دو اور میرے ساتھ نہ آؤ۔ میں نے اصرار کیا، مگر وہ نہ مانے اور تنہا چلدیئے میں بھی ذرا

فاصلہ سے ان کے پیچھے پیچھے ہولیا، خانم کے بازار میں ایک بڑی مالدار اور مشہور رنڈی کا مکان تھا اور اس کا نام موتی تھا، مولانا اُس کے مکان پر پہنچے اور آواز دی تھوڑی دیر میں مکان سے ایک لڑکی نکلی اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کام ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں فقیر ہوں وہ لونڈی یہ سُنکر چلی گئی اور جاکر کہدیا کہ ایک فقیر کھڑا ہے رنڈی نے کچھ پیسے دیئے اور کہا کہ جاکر دیدے، وہ لڑکی پیسے لیکر آئی اور مولانا کو دینا چاہا۔ مولانا نے کہا کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں اور بغیر صدا کہے لینا میری عادت نہیں تم اپنی بی بی سے کہو کہ میری صدا سُن لے اُس نے جاکر کہدیا۔ رنڈی نے کہا کہ اچھا بُلا لے وہ بُلا کرلے گئی، مولانا جاکر صحن میں رومال بچھا کر بیٹھ گئے، اور آپ نے "سورۂ والتین ثم رددناہ اسفل سافلین" تک تلاوت فرمائی میں بھی وہاں پہنچ گیا اور جاکر مولانا کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ مولانا نے اس قدر بلیغ اور مؤثر تقریر فرمائی کہ گویا جنّت اور دوزخ کا مشاہدہ کرادیا، اس رنڈی کے یہاں بہت سی اور رنڈیاں بھی تھیں اور اُن کے علاوہ اور لوگ بھی بہت تھے ان پر اس کا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے اور کہرام مچ گیا اور انھوں نے ڈھولک ستار وغیرہ توڑنے شروع کئے، اور موتی اور اُس کے علاوہ اور کئی رنڈیاں تائب ہوگئیں۔ اس کے مولانا اسمٰعیل صاحب اٹھکر چلدیئے میں بھی پیچھے پیچھے چلدیا"۔

یہاں تک تو باستثنا مضمون تمہیدی تمام روایت کرنے والوں کا اتفاق ہے یہاں سے خاص حاجی منیر خاں کی روایت ہے، وہ فرماتے تھے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ جب مولانا جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پہنچے ہیں تو میں نے مولانا سے کہا کہ میاں تمہارے دادا ایسے تھے اور تمہارے چچا ایسے تھے اور تم ایسے خاندان کے ہو جس کے

جس کے سلامی بادشاہ رہے ہیں، مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کرلیا اتنی ذلت ٹھیک نہیں ہے اس پر مولانا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حیرت سے میری طرف دیکھا اور کھڑے ہوگئے، اور مجھ سے فرمایا کہ "مولانا آپ نے یہ کیا فرمایا آپ اس کو میری ذلت سمجھتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں ہیں تو اس روز سمجھوں گا کہ آج میری عزت ہوئی ہے جس روز دلی کے شہدے میرا منھ کالا کرکے اور گدھے پر سوار کرکے مجھے چاندنی چوک میں کو نکالیں گے اور میں کہتا ہوں گا۔ "قال اللہ کذا وقال رسول اللہ کذا۔" یہ سنکر میری یہ حالت ہوئی کہ میں کہنے کو تو کہہ گیا مگر مارے شرم کے پانی پانی ہوگیا اور زبان بند ہوگئی اور اس کے بعد کبھی مجھے اُن سے آنکھ ملاکر بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حکایت (۴۱) خانصاحب نے فرمایا کہ جب سید صاحب کا قافلہ حج سے واپس آرہا تھا تو واپسی میں لکھنؤ میں ٹھہرا۔ علی نقی خاں اس زمانہ میں وزیر تھا اور سبحان علی خاں اس کا منشی۔ علی نقی خاں نے تمام قافلہ کی دعوت کی۔ اور کھانے کے لئے سب کو ایک بڑے مکان میں مدعو کیا، اس جلسہ میں علماء فرنگی محل وغیرہ بھی مدعو تھے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے علی نقی خاں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ حضور کھانے ابھی ذرا دیر ہے، بہتر ہو کہ جناب مولوی اسمٰعیل صاحب کچھ بیان فرمائیں۔ مولانا اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جس جلسہ میں سید صاحب ہوتے تھے اس جلسہ میں تقریر نہ کرتے تھے، اس لئے سید صاحب نے مولانا عبدالحیٔ صاحب سے فرمایا کہ "مولانا آپ کچھ فرما دیجیے"۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب نہایت ہی کم گو تھے اور جب تک کوئی سوال کئی مرتبہ نہ کیا جاوے، اس وقت تک جواب ہی نہ دیتے تھے اس لئے وہ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا اس پر سید صاحب نے پھر مولانا عبدالحیٔ صاحب سے فرمایا۔

اس مرتبہ بھی انھوں نے کچھ جواب نہ دیا، تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا اور سید صاحب نے مولانا عبدالحیٰ صاحب سے پھر فرمایا مولانا پھر بھی خاموش رہے۔
اس پر سبحان علی خاں بولا کہ جناب اس مجمع میں علمار فریقین موجود ہیں ایسے مجمع میں تقریر فرماتے ہوئے مولانا کو شرم آتی ہے۔ اس لئے یا جناب خود کچھ فرمائیں یا مولوی اسمٰعیل صاحب کو حکم فرمائیں۔ یہ سُنکر مولانا عبدالحیٰ صاحب نے زور سے "ہوں" کر کے دکیونکہ ان کی عادت تھی کہ جب وعظ فرمانے کو ہوتے اول "ہوں" کرتے، فرمایا الحیاء شعبة من الایمان اور یہ فرما کر سلسلہ تقریر شروع فرمایا اور اوّل ثابت کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام باحیار تھے اور ابلیس بے حیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا باحیار ہونا اور ان کی قوم کا بے ہونا ثابت فرمایا۔ پھر دوسرے انبیار کا باحیار ہونا اور ان کے مخالفین کا بے حیار ہونا ثابت فرمایا۔ اور اخیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باحیار ہونا اور اُن کے مخالفین کا بے حیار ہونا ثابت فرمایا۔ اس کے بعد صحابہ کا باحیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بے حیا ہونا ثابت فرمایا۔ اس کے بعد فرق اسلامیہ میں اہلِ سنت کا باحیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بے حیا ہونا ثابت کیا اور رخاتمہ تقریر پر ریشِ مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ الحمد للہ سنت انبیار اور اُن کے متبعین کے مطابق عبدالحیٰ باحیار ہے۔ اور روافض، بالخصوص روافض اودھ اپنے اسلاف کی سنت کے مطابق بے حیا ہیں اور اس پر تقریر کو ختم فرمایا یہ مضمون تو ختم ہوا۔
اثنارِ تقریر میں سبحان علی خاں مولوی عبدالحیٰ صاحب سے جگہ جگہ پر سوال کرتا تھا اور مولانا اسمٰعیل صاحب اس کا جواب دیتے تھے، وہ سوالات وجوابات سب تو مجھے محفوظ نہیں رہے جس قدر یاد ہیں وہ لکھواتا ہوں۔ مولانا عبدالحیٰ صاحب کی تقریر میں

حضرت عمرؓ کی فتوحات کا اور ان منافع کا بھی ذکر آ گیا جو آپ کی ذات سے اسلام کو پہنچے اس پر سبحان علی خاں نے باواز بلند حدیث پڑھی ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر۔ اس پر مولانا اسمٰعیل صاحب اٹھے اور مولوی عبدالحیٔ صاحب سے فرمایا کہ ذرا تقریر کو روک دیجئے اس کا جواب میرے ذمہ ہے اور سبحان علی خاں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ سبحان علی خاں تم اس کو تسلیم کرتے ہو کہ "حضرت عمرؓ کی ذات سے دین کو مدد پہنچی" اس نے اقرار کیا کہ "ہاں"۔ آپ نے پھر یہی سوال کیا اُس نے پھر وہی جواب دیا جب سب کے سامنے کئی بار اس سے اقرار کرا لیا۔ تب فرمایا کہ یہ بحث تو پھر ہو گی کہ حضرت عمر فاجر تھے یا نہ تھے، لیکن اس وقت آپ نے اتنا تسلیم کر لیا کہ حضرت عمرؓ کی ذات سے دین کو مدد پہنچی، اب اتنا ذرا اور بتا دو کہ اصول تشیع کے مطابق دین کو نفع پہنچا یا یا اصول سنت کے مطابق اس کے جواب میں سبحان علی خاں بالکل خاموش ہو گیا۔ جب وہ جواب نہ دے سکا تو خود مولانا نے فرمایا کہ یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے کہ اصولِ تشیع کے مطابق دین کو نفع پہنچا، اس لئے ضرور یہی کہا جاوے گا کہ اصولِ اہلِ سنت کے مطابق نفع پہنچا، پس ثابت ہوا کہ دین حق مذہب اہلِ سنت ہے۔

ایک موقع پر مولوی عبدالحیٔ صاحب نے حضرت علی کے متعلق کچھ بیان فرمایا اسی موقع پر سبحان علی خاں نے حدیث لحمك لحمي ودمك دمي پڑھی اس پر بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مولانا ذرا تقریر کو روک دیجئے اس کا بھی جواب میں دوں گا۔ اور اس کے بعد سبحان علی خاں سے فرمایا کہ سبحان علی خاں سنو! اوّل تو یہ حدیث ثابت نہیں اور بر تقدیر ثبوت میں دریافت کرتا ہوں کہ یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے یا مجازی معنی پر، اس کے جواب میں سبحان علی خاں نے کہا کہ حقیقی

معنے پر۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ اگر حقیقی معنی پر محمول ہے تو حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے صحیح نہ ہوا۔ سبحان علی خاں سے کچھ جواب بن نہ آیا اور خاموش ہو گیا۔ ایک موقع پر سبحان علی خاں نے مولانا عبدالحیٔ صاحب کی تقریر پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے یہاں یہ حدیث ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ نہ لیں گے بلکہ ان کے زمانہ میں یا اسلام ہوگا یا قتل۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزیہ لیتے تھے تو ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ کر سکتے ہیں اس کے جواب میں بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ "اُن کا جزیہ نہ لینا خود اسی حدیث کی بنا پر ہوگا پس یہ تعمیل ہے حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ کہ نسخِ حکم نبوی۔ اس کے جواب میں بھی سبحان علی خاں خاموش ہو گیا، اور کوئی جواب نہ بن آیا۔

غرضکہ اسی طرح اور بھی کئی سوال وجواب ہوئے جو مجھے یاد نہیں رہے، اور سبحان علی خاں ہر مرتبہ ساکت ہوا۔ آخر میں ایک موقع پر اس نے اعتراض کرنا چاہا اور صرف اتنا کہا تھا کہ "مولانا" کہ اتنے میں علی نقی خاں نے سبحان علی خاں سے کہا کہ "بس کرو بہت گالیاں سنوا چکے ہو اب نہ چھیڑو اپنے بہنوئی کو۔

حکایت (۴۲) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جو میں لکھوانا چاہتا ہوں اپنے اُستاد میاں جی محمدی صاحب، حکیم خادم علی صاحب، حکیم عبدالسلام صاحب ملیح آبادی، قاضی عبدالرزاق جبوری اور مولوی عبدالقیوم صاحب سے سنا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب نے لکھنؤ میں اعلان فرمایا کہ کل ہم شیعوں کی عیدگاہ میں وعظ کہیں گے، چنانچہ آپ حسب اعلان وعظ کہنے کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے، اس اعلان

کی اطلاع عام طور پر ہو چکی تھی اس لئے دونوں فریق کے لوگ جمع ہو گئے، اور بہت بڑا مجمع ہو گیا۔ مولانا ممبر پر تشریف لائے اور وعظ شروع فرمایا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب مولوی عبدالحیٔ صاحب کے صاحبزادے آپ کے پاؤں کے پاس بیٹھے تھے وعظ میں آپ نے مذہب تشیع کی خوب دھجیاں اڑائیں، اس وعظ میں دو نوعمر اور نوجوان لڑکے اور جو آپس میں بھائی بھائی تھے جن میں سے ایک کا نام محمد مرتضیٰ تھا اور دوسرے کا نام محمد مرتضیٰ مولانا کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان پر اس وعظ کا اثر ہوا، اور ان میں سے چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا کہ مولانا کی تقریر کو سن کر میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ کہ اس شہر میں ہماری حکومت ہے اور یہ شخص جو مذہب تشیع کی اس بے باکی سے تردید کر رہا ہے محض ایک معمولی اور دبلا پتلا آدمی ہے نہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ نواب نہ اس کے پاس فوج ہے نہ ہتیار، پھر باوجود اس بے کسی و بے بسی کے جو یہ اس قدر جرأت دکھلا رہا ہے تو وہ کونسی بات ہے جو اس کو اس بے باکی اور سر فروشی پر آمادہ کر رہی ہے وہ صرف اس کا ایمان ہے اور اب ہم اپنے آئمہ پر نظر کرتے ہیں، ہمارے آئمہ ہمارے مذہب کی روایات کے مطابق اس قدر قوی اور شجاع تھے کہ ان کی قوت کو نہ کسی فرشتہ کی قوت پہنچتی تھی اور نہ جن کی۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ تقیہ بھی اس قدر کرتے تھے کہ مخالف تو درکنار خود اپنے شیعوں سے بھی صاف بات نہ کہتے تھے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا، کیونکہ یا تو ان کی بہادری کے افسانے جھوٹے ہیں یا اُن کے تقیہ کی کہانی غلط ہے۔ اب صرف دو مذہب سچے ہو سکتے ہیں یا مذہب خوارج جو ان کو کافر سمجھتے ہیں یا مذہب اہلِ سنت وجماعت جو کہتے ہیں کہ ائمہ نہایت راست گو اور نہایت باایمان تھے اور ان کی شان لا یخافون فی اللّٰہ لومۃ لائم تھی اور ان کا مذہب

وہی تھا جو اہلِ سنت کا مذہب ہے اور جو باتیں ان کی طرف شیعہ نسبت کرتے ہیں وہ ان کا افترا ہے اور جب مذہب تشیع بالکل افسانہ ثابت ہوا اور حق دائر ہو گیا۔ خوارج اور اہلِ سنت کے مذہب کے درمیان تو پھر جب میں ان دونوں مذہبوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو مجھے اہلِ سنت کا مذہب اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے اس کو سُن کر بڑے بھائی نے کہا کہ مجھے بھی یہی خیال ہوتا ہے جب وہ دونوں متفق ہو گئے تو چھوٹا بھائی اُٹھا۔ اور کہا کہ مولانا ذرا ممبر پر سے اتر جائے۔ مجھے کچھ عرض کرنا ہے، مولانا سمجھے کہ شاید میری تردید کرے گا، اور یہ خیال کر کے آپ نیچے تشریف لے آئے، اس لڑکے نے ممبر پر جا کر تمام شیعوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ صاحب آپ کو معلوم ہے کہ اس مقام پر شیعوں کی حکومت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مولانا جو اس جرأت سے مذہب تشیع کی تردید فرما رہے تھے اور نہ ان کو بادشاہ کا خوف تھا نہ ارکان دولت کا اور نہ عام رعایا کا۔ محض ایک معمولی شخص ہیں کہ نہ ان کو کوئی جسمانی قوت ہم لوگوں سے ممتاز حاصل ہے اور نہ ان کے پاس کوئی فوجی قوت ہے پھر باوجود اس بیکسی اور بے بسی اور کمزوری کے جو وہ اس قدر جرأت دکھلا رہے تھے اس کا سبب کیا ہے اور وہ کونسی قوت ہے جس نے ان کو اس قدر جانباز اور جری بنا دیا ہے۔ میرے نزدیک وہ قوت صرف قوت ایمانی ہے۔ اب میں دریافت کرتا ہوں کہ ہمارے ائمہ جو عمر بھر تقیہ کرتے رہے حتیٰ کہ خود اپنے شیعوں سے بھی ڈرتے رہے تو اس کمزوری کا کیا سبب ہے اگر اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں قوت نہ تھی اوّل تو مذہب تشیع اس کا انکار کرتا ہے اور ان کے اندر انسانی طاقت سے زیادہ طاقت بتلاتا ہے۔ پھر اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو وہ قوت میں مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی صورت سے کم نہ ہوں گے۔ پھر کیا وجہ کہ

کہ ان میں مولوی اسمٰعیل کی سی جرأت نہ تھی اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایمان میں مولوی اسمٰعیل سے بھی کمزور تھے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا اگر حق ہو سکتا ہے تو مذہب خوارج یا مذہب اہل سنت۔ اور یا تو آئمہ (نعوذ باللہ) سراسر بے ایمان تھے جیسے خوارج کہتے ہیں۔ اور یا وہ پکے سنی تھے جیسے اہل سنت کہتے ہیں۔ یہ میرا شبہ ہے اگر کسی شیعی کے پاس اس کا جواب ہو تو اس کا جواب دے ورنہ میں مذہب تشیع سے تائب ہوتا ہوں اور میرے ساتھ میرا بڑا بھائی بھی تائب ہوگا۔ اس مجمع میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا کہ یا تو کوئی صاحب جواب دیں ورنہ میں سنی ہوتا ہوں اس کا بھی کچھ جواب نہ ملا، آخر وہ منبر پر سے اترا اور مولانا سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کرچکا۔ اب آپ وعظ فرمائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ وعظ سے جو میرا مقصود تھا وہ حاصل ہوگیا، اور جو تقریر تم نے کی میں ایسی نہ کرتا۔ اس لئے اب مجھے کہنے کی ضرورت نہیں رہی، یہ دونوں لڑکے کسی بڑے مجتہد کے لڑکے تھے، جب یہ سنی ہو گئے تو انھوں نے اپنا سب گھر بار چھوڑ دیا اور چھوڑ کر مولانا کے ساتھ ہو گئے اور انہی کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ جہاد میں مولانا کے ساتھ شہید ہو گئے۔

حکایت (۴۴) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب کی عادت ہنسی مذاق کی بہت تھی اس لئے وہ سید صاحب کے پاس نہ ٹھیرتے تھے بلکہ الگ ٹھیرا کرتے تھے اور سید صاحب کے ساتھ مولوی عبدالحئی صاحب ٹھیرتے تھے جب سید صاحب کا قافلہ حج کو گیا ہے تو مولانا اسمٰعیل صاحب سید صاحب کے جہاز میں سوار نہیں ہوئے بلکہ دوسرے جہاز میں سوار ہوئے مولوی وجیہ الدین صاحب یعنی مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے تایا مولوی عبدالحئی صاحب کے بھی شاگرد تھے اور مفتی الٰہی بخش

صاحب کاندھلوی کے بھی شاگرد تھے ان کا بدن بھاری اور پیٹ بڑا تھا۔ رنگت کالی تھی ابتداء میں یہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے مخالف تھے اور انھوں نے تقویت الایمان کا رد بھی لکھا تھا اور مولوی عبد اللہ صاحب ایک شخص تھے جو کاندھلہ کے رہنے والے اور قوم کے رائیں تھے نہایت ذہین اور بڑے عالم تھے اور مفتی صاحب کے شاگرد تھے مولوی وجیہ الدین صاحب اور مولوی عبد اللہ صاحب کے درمیان ایک مرتبہ مناظرہ بھی ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان میں شرک کی دو قسمیں کی ہیں ایک جلی دوسرے خفی، مولوی وجیہ الدین صاحب اس کو تسلیم نہ کرتے تھے، اس پر ان کو اور مولوی عبد اللہ صاحب سے مناظرہ ہوا، اور مولوی عبد اللہ غالب آئے، اس پر مولوی وجیہ الدین صاحب مولانا شہید کی مخالفت سے تائب ہوئے اور اپنی کتاب جو انھوں نے مولانا کے رد میں لکھی تھی دہلی جا کر مولانا کے سامنے پھاڑ ڈالی اور بہت زور سے مولانا شہید کے عاشق زار بن گئے۔ یہ مولوی وجیہ الدین صاحب بھی مولانا شہید کے ساتھ جہاز میں تھے اور دونوں ملکر حجاج کے لئے آٹا پیسا کرتے تھے، آٹا پیستے ہوئے مولانا شہید ان کو چھیڑا کرتے تھے کبھی آٹا ان کے منہ پر مل دیتے تھے کبھی پیٹ پر کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے، ان کے علاوہ مولانا اور حاجیوں سے بھی ہنسی مذاق کرتے رہتے تھے میں (یعنی مولوی عبد القیوم صاحب) اس زمانہ میں بچہ تھا اور مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی، اس لئے مولانا اکثر مجھے اپنے پاس رکھتے تھے اور جہاز میں بھی مجھے اپنے ہی ساتھ رکھا تھا۔ اس زمانہ میں بادی جہاز تھے اور مسافروں کو روزانہ فی کس ایک بوتل پانی ملا کرتا تھا، اتفاق سے ہوا ناموافق ہوگئی اور جہاز میں پانی کم رہ گیا، اس لئے جہاز والوں نے اعلان کر دیا کہ کل سے پانی آدھی بوتل ملے گا۔ دو دن تک آدھی بوتل پانی

دیا اس کے بعد جب پانی بالکل ختم ہوگیا تو جہاز والوں نے کہدیا کہ اب پانی بالکل نہیں ہا
ہے اس لئے ہم پانی نہیں دے سکتے، سب لوگ نہایت پریشان ہوئے۔ اس جہاز میں
علاوہ سید صاحب کے قافلہ والوں کے اور بھی بڑے بڑے لوگ سوار تھے۔ اب ان
لوگوں میں یہ سرگوشیاں ہونے لگیں کہ یہ شخص (مولانا شہید) لوگوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے
اسی کی شامت سے ہم پر یہ بلا آئی ہے لہذا اس کو روکنا چاہیئے اور دعائیں کرنی چاہئیں
اس کی اطلاع مولوی وجیہ الدین صاحب اور دوسرے لوگوں کو ہوئی، مولوی وجیہ
الدین مع چند دیگر اشخاص کے ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ان کو مولانا شہید کی عظمت و
شان سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہ شامت تمھاری گستاخی اور بدگمانی کی ہے کہ تم ان کی
نسبت ایسا خیال کرتے ہو تم کو چاہیئے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن
سے معافی چاہو، اور ان سے دعا کی درخواست کرو، چنانچہ وہ سب لوگ آئے اور سب نے
مولانا سے دعا کی درخواست کی۔ مولانا نے فرمایا کہ تم سب دعا کرو میں بھی دعا کروں گا۔ مگر
میری دعا تو مٹھائی کے بغیر چپکتی نہیں، اس پر ایک شخص نے وعدہ کیا کہ سب جہاز کے لوگوں
کو مسقطی حلوا کھلاؤں گا۔ اس کی مقدار مجھے یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ فی کس پاؤ بھر
سے زیادہ تھا، اس پر آپ نے دوسرے لوگوں کے ساتھ ملکر دعا کی جس کا اثر اُسی وقت
ظاہر ہوا اور ایک چشمہ شیریں پانی کا جو لمبا ؤ۔ چوڑاؤ میں دو بڑی چار پائیوں کے
برابر ہو گا دوڑتا ہوا آیا اور جہاز کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ مولانا نے اس کو دیکھکر فرمایا
کہ اس پانی کو تو دیکھو کیسا ہے لوگوں نے جو چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا۔ اس پر
سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لئے اور جہاز والوں نے بھی اپنے ظروف خوب بھر
لئے، جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہو گیا اور اس کے بعد لوگوں نے ہوا کی موافقت

کے لئے دعا کی درخواست کی۔ پھر آپ نے وہی فرمایا کہ سب دعا کر دیں میں بھی شریک ہو جاؤں گا مگر میری دعا بغیر مٹھائی کے نہیں چپکتی اس پر کسی اور امیر نے کچھ وعدہ کیا جو مجھے یاد نہیں رہا۔ اس پر آپ نے سب لوگوں کے ساتھ ملکر موافقت ہوا کی دعا کی اور ہوا موافق ہو گئی۔ جہاز کا لنگر کھول دیا گیا۔ اور جتنے دنوں میں اچھی ہوا کی حالت میں جہاز جدہ پہنچتا تھا اس سے نصف دنوں میں ہمارا جہاز جدہ پہنچ گیا۔

حکایت (۴۴) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے حکیم خادم علی صاحب و حکیم عبدالسلام صاحب و مولوی سراج احمد صاحب خورجوی سے سُنا ہے، یہ حضرات فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ میں مردوں اور عورتوں کا داخلہ ساتھ ساتھ ہوتا تھا جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے یہ حالت دیکھی تو وہ اور ان کے ساتھی ننگی تلواریں لے کر خانہ کعبہ پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اگر عورتوں کے ساتھ مرد اور مردوں کے ساتھ عورتیں داخل ہونگی تو ہم تلوار سے سر اڑا دیں گے۔ اس پر بہت شور و شغب ہوا مگر مولانا اور ان کے ساتھی اپنی بات پر جمے رہے اور مشترکہ داخلہ کو بند کرا کر چھوڑا۔ یہ قصہ میں نے یہیں تک سنا تھا۔ جب میں نے اس قصہ کو شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ بس اتنا ہی سُنا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ ملاجیون کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے، اُس وقت بھی مردوں اور عورتوں کا داخلہ ساتھ ہوتا تھا۔ مگر ملّا جیون نے اس کو روکا تھا۔ مگر پھر معلوم نہیں یہ مشترکہ داخلہ کب سے جاری ہو گیا۔ جس کو دوسری دفعہ مولانا شہید نے روکا۔

حکایت (۴۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان

اول عربی میں لکھی تھی، چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصراللہ خاں خورجوی کے کتب خانہ میں بھی تھا، اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب مولوی عبدالحیٔ صاحب شاہ اسحٰق صاحب مولانا محمد یعقوب صاحب مولوی فریدالدین صاحب مرادآبادی، مومن خاں۔ عبداللہ خاں علوی (استاذ امام بخش صہبائی) و مولانا مملوک علی صاحب بھی تھے اور ان کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے، اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہوگیا ہے مثلاً اُن امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی، اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو میں آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا۔ لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے اس لئے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے گو اس سے شورش ہوگی۔ مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے، یہ میرا خیال ہے۔ اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جاوے ورنہ اسے چاک کر دیا جاوے۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیئے، مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیئے اس پر مولوی عبدالحیٔ صاحب شاہ اسحاق صاحب اور عبداللہ خاں دہلوی و مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اسی طرح اس کی اشاعت ہو گئی۔

اشاعت کے بعد مولانا شہید حج کو تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے بعد چھ مہینے دہلی میں قیام رہا اس زمانہ میں مولانا اسمٰعیل گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے۔ اور مولوی عبدالحیٌ صاحب مساجد میں۔ چھ مہینے کے بعد جہاد کے لئے تشریف لے گئے یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب اور اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب وغیرہ سے سُنا ہے۔

حکایت (۴۶) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتویؒ فرماتے تھے کہ اطراف لکھنؤ میں ایک عالم رہتے تھے جو بڑے عالم تھے (مولانا نے ان کا نام بھی لیا تھا۔ مگر مجھے یاد نہیں رہا) یہ عالم ایک مسجد میں رہتے تھے اور مسجد کی جنوبی جانب ایک سہ دری تھی اس میں پڑھایا کرتے تھے، مولوی فضل رسول بدایونی ظہر کی نماز سے پہلے یا عصر کی نماز سے پہلے ان کی خدمت میں پہنچے اور ان کو وہ اپنی تحریرات سُنائیں جو انھوں نے مولانا شہید کے رد میں لکھی تھیں اور اُن سے اُن کی تصدیق اور مولانا شہید کی تکفیر چاہی اتنے میں جماعت تیار ہوگئی، مولوی صاحب نے فرمایا پہلے نماز پڑھ لیں پھر غور کریں گے، مولوی فضل رسول کے ساتھ ایک شخص بھی تھا۔ مولوی صاحب اور مولوی فضل رسول تو نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ ان کا ساتھی نہیں اُٹھا اور بیٹھا ہوا حقہ پیتا رہا۔ جب مولوی صاحب نماز پڑھ کر تشریف لائے تو اُسے حقہ پیتے ہوئے دیکھا۔ اس پر مولوی صاحب نے مولوی فضل رسول سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں، انھوں نے کہا یہ میرے عزیز ہیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کتنے دنوں سے ہیں، انھوں نے مدت بتائی، اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ تکفیر کا میرا ارادہ پہلے بھی نہ تھا، مگر اتنا ارادہ تھا کہ کچھ آپ کے موافق لکھ دونگا

مگر الحمد للہ کہ اس وقت نماز کی برکت سے مجھ پر ایک حقیقت منکشف ہوئی وہ یہ کہ یہ شخص تمہارا عزیز بھی ہے اور اتنی مدت سے تمہارے ساتھ بھی ہے مگر باوجود اس کے تم اسے مسلمان (نمازی) بھی نہ بنا سکے، اور مولوی اسمٰعیل جس طرف کو نکل گیا ہے ہزاروں کو دین دار بنا گیا ہے۔ پس قابل تکفیر تم ہو نہ کہ مولوی اسمٰعیل۔ لہٰذا تم میرے پاس سے چلے جاؤ، میں کچھ نہ کہوں گا، اس پر وہ بے نیل مرام واپس ہو گئے"۔

یہ قصہ بیان کر کے خان صاحب نے فرمایا کہ میں اس شخص سے ملا ہوں جو مولوی فضل رسول کے ساتھ تھا، حالانکہ وہ بڈھا ہو گیا تھا۔ مگر بڑھاپے تک بے نماز تھا اور دنیا کی تمام بازیوں مثل کبوتر بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی وغیرہ میں ماہر تھا۔

حکایت (۲۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی ذوالفقار علی صاحب بیان فرماتے تھے کہ مولوی رستم علی بریلی کے رہنے والے اور بہت پہلوان تھے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کے بہت گہرے دوست تھے، اتفاق سے مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولوی رستم علی صاحب چاندنی چوک میں سے جا رہے تھے کہ ایک پہلوان نے مولانا کو گالیاں دینی شروع کیں، اس پر مولوی رستم علی صاحب کو غصہ آگیا، اور وہ تلوار نکال کر اس کے مارنے کو دوڑے، مولانا نے جھپٹ کر مولوی رستم علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ میاں رستم علی کیا کرتے ہو وہ گالیاں بے جا نہیں دیتا، بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے، کیونکہ وہ یہی کہتا ہے کہ یہ بڑا بد دین ہے جو نئی نئی باتیں نکالتا ہے۔ سو اس میں وہ کیا بیجا کہتا ہے، میری باتیں اس کے لئے تو واقعی نئی ہیں۔ علماء نے یہ باتیں ان بے چاروں کو کہاں سنائی ہیں، پھر اس کو نئی کیوں نہ معلوم ہوں۔ اور وہ گالیاں کیوں نہ دے

اس کا اس پہلوان پر بہت اثر ہوا اور اس روز سے مولانا کا دوست ہو گیا۔

حکایت (۴۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مرزا ثریا جاہ بیان فرماتے تھے کہ اکبر شاہ بادشاہِ دہلی کی بہن تھیں جن کو "بی چھکو" کہتے تھے۔ یہ اکبر شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انھوں نے اکبر شاہ کو گود میں کھلایا تھا۔ اس لئے بادشاہ بھی اُن کا ادب کرتے تھے اور تمام شاہزادے اور شاہزادیاں بھی ان کو بڑا مانتے تھے۔ غرض تمام اہل قلعہ ان سے دبتے تھے اور کوسنے اور گالیاں بہت دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ چند شہزادوں اور چند شہدوں نے مشورہ کیا کہ ایک دن بھرے مجمع میں "بی چھکو" سے مولوی اسمٰعیل کو گالیاں دلوانی چاہییں اور اس کے لئے تدبیر یہ کی گئی کہ ان شہزادوں نے ایک دعوتی جلسہ تجویز کیا جس میں بی چھکو کو بھی مدعو کیا اور مولانا شہید کو بھی۔ اور جو شاہزادے اور شہدے اپنے ہم مذاق تھے اُن کی بھی دعوت کی گئی، اور جو شہزادے وغیرہ اُن کے ہم مذاق نہ تھے ان کو مدعو نہیں کیا گیا اور اس عرصہ میں یہ کارروائی کی گئی کہ مولانا شہید کی طرف سے "بی چھکو" کو خوب بھر دیا گیا کہ اسمٰعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے اور میراں کے بکرے کو ناجائز کہتا ہے، فلاں کے روٹ کو منع کرتا ہے، فلاں کے توشہ کو۔ شیخ عبدالقادر کی گیارہویں کو منع کرتا ہے اور یہ کرتا ہے، وہ کرتا ہے۔ جب خوب اچھی طرح بی چھکو کے کان بھر دیئے تو جلسہ منعقد کیا گیا۔ سب لوگ جلسہ میں آئے اور بی چھکو بھی آئیں (مگر یہ پردہ میں تھیں) اتفاق سے مولوی اسمٰعیل صاحب کو ذرا دیر ہو گئی، اس پر ذرا ان کو موقع ملا اور انھوں نے بی چھکو سے کہا کہ دیکھئے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ اب تک نہیں آیا، اس پر وہ اور بھی برہم ہو گئیں۔ غرض جب مولانا شہید جلسے میں پہنچے ہیں اس وقت یار لوگ بی چھکو

خوب برہم کر چکے تھے اُن کے پہنچنے پر بی چھکو نے غصہ کی آواز سے پوچھا کہ عبدالعزیز کا بھتیجا اسمٰعیل آگیا۔ مولانا جلسہ کا رنگ دیکھکر تاڑ گئے تھے کہ آج ضرور کوئی شرارت کی گئی ہے آپ نے اس کا تو کچھ جواب نہیں دیا اور فرمایا "اخاہ یہ آواز تو چھکو اماں کی معلوم ہوتی ہو اماں سلام"۔ جب اُنھوں نے اس انداز سے گفتگو کی تو بی چھکو کا غصہ سب کافور ہوگیا اور انھوں نے بڑوں کے قاعدے سے اُن کے سلام کا جواب دیا اور اِدھر اُدھر کی دو چار باتیں کر کے کہا کہ اسمٰعیل ہم نے سُنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو۔ مولانا نے فرمایا کہ "اماں میں منع نہیں کرتا، بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحنک کو منع کروں"۔ انھوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ "جو کوئی کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے ابا جان منع کرتے ہیں میں لوگوں کو بی بی کے ابا جان کا حکم سُناتا ہوں"۔ اس پر بی چھکو نے حیرت کے لہجہ میں فرمایا کہ "بی بی کے ابا منع کرتے ہیں؟" مولانا نے فرمایا جی ہاں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں من احدث فی دیننا ھذا ما لیس منه فھو رد۔ اور حدیث پڑھکر اس کی تفصیل فرمائی اور اس سے صحنک کی ممانعت ثابت فرمائی۔ بی چھکو نے جو یہ تقریر سُنی تو مان گئیں، اور کہا کہ اُب سے اگر کوئی عورت کرے گی تو اُس حرامزادی کی ناک چٹیا کاٹ لوں گی۔ ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے، ہم تو بی بی کے ابا پر ایمان لائے ہیں۔ جب وہی منع کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں کریں۔

حکایت (۴۹) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب و مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبدالعزیز کے شاگرد

اور اُن کے کاتب تھے ۔شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا ہے، اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا آپ ان کو روک دیجئے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہوگیا ہوں مجھ سے تو مناظرہ نہیں ہو سکتا۔ میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں تم میرے سامنے اس سے مناظرہ کرلو۔ اگر تم غالب آگئے تمھارے ساتھ ہو جاؤں گا۔ اور وہ غالب آگیا تو اُس کے ساتھ ہو جاؤں گا۔ مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے اور کہا کہ حضرت ہم تو مناظرہ نہ کریں گے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم مناظرہ نہیں کر سکتے تو جانے دو۔ شاہ صاحب نے یہ جواب دیا تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اس وقت دفع الوقتی فرمادی ہے، مگر یہ مولوی اسمٰعیل سے کہیں گے ضرور۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جب شاہ عبدالقادر صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں۔ کیا فائدہ ہے خواہ مخواہ عوام میں شورش ہوگی۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں کہہ تو دوں، مگر وہ مانے گا نہیں اور حدیثیں پیش کرے گا۔ اس وقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو انھوں نے اس وقت یہ جواب دیدیا ہے مگر یہ بھی کہیں گے ضرور۔ چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو پھر اس حدیث کے کیا معنیٰ ہوں گے۔ من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا، عوام میں ضرور شورش ہوگی۔ مولوی

محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے اُن کا جواب بیان کیا، اس کو سُنکر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا: "ہا ہا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا، یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب بھی مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے۔ اور کوئی جواب نہ دیا

حکایت (۵۰) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی فضل حق صاحب سے تحریری مناظرہ ہو رہا تھا تو مولوی اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جب آپ کے پاس مولوی فضل حق صاحب کی تحریر پہنچی تو فوراً جواب دیتے اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ آپ تیر رہے ہیں اور تیرنے کی حالت میں آپ کے پاس تحریر پہنچی۔ آپ نے تیرتے ہی تیرتے اس کا جواب لکھوا دیا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مومن خاں اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیل رہے تھے اور مولوی فضل حق صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس تحریر بھیجی تھی اتفاق سے ان کے شطرنج کھیلتے ہی میں آدمی واپس آ گیا، اور مولوی فضل حق صاحب نے دریافت کیا کہ جواب لائے اُس نے کہا کہ جواب نہیں دیا، اور کہا کہ فلاں وقت دوں گا چونکہ یہ بات مولوی اسمٰعیل صاحب کے طرز کے خلاف تھی، اس لئے مولوی فضل حق صاحب نے سمجھا کہ اب مولوی اسمٰعیل عاجز ہو گئے، اور یہ سمجھ کر کہا کہ بس دے لیا جواب۔ یہ بات مومن خاں کو ناگوار ہوئی، انھوں نے کہا کہ وہ بات ہی کیا ہے کہ جس کا جواب مولوی

اسمٰعیل صاحب نہیں دے سکتے اس پران میں گفتگو شروع ہوگئی اور مومن خاں مناظرہ میں غالب رہے، چونکہ گفتگو میں مزاج مکدر ہوگیا تھا۔ اس لئے مومن خاں یہ شعر کہہ کر چل دیئے ؎

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں　　　مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

(آرزو مولوی فضل حق صاحب کا تخلص ہے)

جب مولوی فضل حق صاحب نے دیکھا کہ مومن خاں ناراض ہو گئے تو وہ ان کو منانے کے لئے گئے، کچھ گفتگو ہو کر صلح ہو گئی، اس وقت مومن خاں نے یہ شعر پڑھا ؎

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم　　　پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

یہ قصہ بیان فرما کر فرمایا کہ قصہ میں نے متعدد ثقات سے سُنا ہے مگر نام یاد نہیں رہے۔

حکایت (۵۱) حاجی امیر شاہ خاں صاحب خادم خاص حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ سے ملا نواب صاحب نے (جو شاگرد ہیں حافظ دراز محشی صدرا کے اور شاگرد ہیں مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی کے اور مجاز ہیں شاہ احمد سعید صاحب برادر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے اور اُستاد ہیں مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری کے) روایت کی (نیز مولوی اسمٰعیل صاحب ابن ملا نواب صاحب نے بھی اس واقعہ کی روایت کی)، کہ میں (یعنی ملا نواب صاحب) (جو پندرہ برس کا تھا اور اپنے استاد حافظ دراز صاحب کی انگلی تھامے ہوئے (جو نابینا تھے) مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا (یہ وہ وقت تھا کہ مولانا شہیدؒ پشاور میں قیام پذیر تھے اور اپنے گھوڑے پر کھرہ کر رہے تھے) حافظ دراز صاحب نے اسی حالت میں چند معقولی سوالات کئے۔ جن کا جواب حضرت شہیدؒ

نے نہایت سادگی اور متانت سے اُسی وقت دیدیا۔ حافظ درانصاحب شافی جوابات لیکر واپس ہونے لگے تو مولانا شہیدؒ نے فرمایا کہ حافظ صاحب ایک سوال میرا ابھی ہے حافظ صاحب ٹھیر گئے اور مولانا کا سوال سُنا اور جواب دیا اُسپر مولانا نے شبہ فرمایا اس کا جواب پھر حافظ صاحب نے دیا۔ مولانا نے پھر اس پر شبہ فرمایا۔ حافظ صاحب نے اس کا بھی جواب دیا، مولانا نے پھر تیسری دفعہ خدشہ پیش فرمایا تو حافظ صاحب کو غصہ آگیا اور طیش میں آکر بجائے جواب کے غیر مہذب عربدہ شروع کردیا جس سے مولانا کی پگڑی زمین پر گر پڑی، مولانا نے اسی سادگی سے خاک آلود پگڑی اٹھاکر سر پر رکھ لی۔ اور فرمایا کہ حافظ صاحب میں نے تو آپ کے کتنے سوالات کے جواب عرض کئے، مگر آپ تو ایک ہی سوال پر خفا ہو گئے۔

حکایت (۵۲) اس کتاب کی حکایت نمبر (۴۱) میں بذیل مکالمہ حضرت مولانا شہید اور سبحان علی خاں میر منشی علی نقی خاں وزیر شاہ اودھ تین سوال سبحان علی خاں کے نقل کئے گئے ہیں جن کا جواب مولانا شہیدؒ نے حضرت مولانا عبدالحئی صاحبؒ کا وعظ روک کر دیا۔ انھیں میں سے ایک مسئلہ اور ہے جو خانصاحب نے مجھ سے اس واقعہ کی روایت کرتے ہوئے فرمایا اور وہ یہ کہ اثنائے وعظ میں ایک موقع پر حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا ذکر آیا تو سبحان علی خاں پھر بولا اور اُس نے حضرت علی کی شان میں زبان مدح اور حضرت امیر معاویہؓ نیز اور دوسرے صحابہ کی شان میں زبان تنقیص کھولی تو مولانا شہید پھر کھڑے ہوئے اور مولانا عبدالحئی صاحب کو روک کر سبحان علی خاں سے استفسار کیا کہ بتاؤ حضرت علی کے دربار میں امیر معاویہ پر تبرا ہوتا تھا؟ اُس نے کہا کہ نہیں حضرت علی کا دربار ہجو گوئی کے

پاک تھا۔ پھر پوچھا کہ حضرت معاویہ کے یہاں حضرت علی پر تبرا ہوتا تھا کہا کہ بے شک ہوتا تھا۔ اس پر مولانا شہیدؒ نے فرمایا کہ اہلِ سنت الحمد للہ حضرت علی کے مقلد ہیں اور روافض حضرت معاویہؓ کے، اور پھر خود ہی اپنے امام کے حق میں زبان تنقیص بھی کھولتے ہیں اور ہم اپنے امام کے مقلد ہیں کہ ان کو اور ان کے سوا سب صحابہ کو اپنا مقتدا جانتے ہیں۔

حکایت (۵۳) مولانا اسمٰعیل شہیدؒ جب سید صاحب کے قافلہ میں حج سے واپس ہوئے ہیں تو راستہ میں لکھنؤ میں بھی قیام ہوا اور وہیں حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر معلوم ہوئی، سید صاحب نے فرمایا کہ آپ دہلی ابھی چلے جائیں اور وہاں پہنچکر تحقیقی اطلاع دیں کہ وفات ہوئی یا نہیں اور مولانا شہید کو خاص اپنی سواری کا نقرئی رنگ کا گھوڑا سواری کے لئے دیا۔ مولانا شہید ادب کی وجہ سے گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے کہ سید صاحبؒ کا خاص گھوڑا ہے بلکہ لکھنؤ سے دہلی تک اس کی لگام تھام کر آئے۔

حکایت (۵۴) مولانا حکیم جمیل الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا ذہن اس درجہ سریع الانتقال تھا کہ پانچ آدمیوں کو سامنے بٹھلا کر پانچ مختلف مضامین لکھاتے تھے اور اس طرح بتلاتے اور املا کراتے کہ کسی کا قلم نہ رکتا تھا۔

حکایت (۵۵) مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ مولانا رشید الدین خاں صاحب (جو شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور بوجہ اپنی ذکاوت و استعداد کامل کے رشید المتکلمین کے

نام سے یاد کئے جاتے تھے) ایک دفعہ درس دیتے ہوئے طلبہ سے فرمانے لگے کہ مولانا اسمٰعیل (شہیدؒ) کو دینیات کے ساتھ شغف ہے، باقی معقولات کی طرف کچھ توجہ نہیں ہے۔ (مطلب یہ تھا کہ مولانا شہیدؒ معقولات میں کچھ زیادہ دستگاہ نہیں رکھتے)، اتفاقاً مولانا شہیدؒ کو ایک دن بخار آگیا اور مولانا رشیدالدین خانصاحب عیادت کے لئے تشریف لے گئے، مولانا شہید فرمانے لگے کہ مولانا آج بخار میں جو دماغ پریشان تھا اور اسی پریشانی اور انتشار کی حالت میں فلاسفہ کے فلاں فلاں مسئلہ کی طرف ذہن منتقل ہوگیا، اور ان مسائل پر میرے دل میں یہ اعتراضات پیدا ہوئے۔ مولانا رشیدالدین خاں صاحب بالکل ساکت رہے، واپس ہونے پر ان کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل شہید کو معقولات کی طرف توجہ نہیں۔ فرمایا کہ بے شک میں نے یہ کہا تھا۔ مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آجائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے

حکایت (۵۶) فرمایا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بادشاہ کی ایک عزیزہ تھی جس کا نام "بی چھکو" تھا بڑی تیز مزاج تھی ان سے کسی نے یہ کہا کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں، انھوں نے کہا بلاؤ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو۔ وعظ کے حیلے سے بلایا گیا۔ مولانا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی اور بالکل خالی الذہن تھے، آنے کے بعد معلوم ہوا کہ بی چھکو سے کسی نے اس طرح سے لگایا ہے مولانا نے بی چھکو کو اس طرح سے سلام کیا کہ "اماں سلام" انھوں نے کہا کہ اسمٰعیل میں نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو فرمایا اسمٰعیل کی کیا مجال ہے جو بی بی کی صحنک کو منع کرے۔ بی بی کے ابا جان خود منع کرتے ہیں کہا یہ کیسے آپ نے کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ

فی النار۔ حدیث پڑھکر اس پر ایک بسوط بحث کی جس سے وہ تائب ہوگئی اور کہا کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں ہم تو ان کی رضامندی ہی کے لئے کرتے تھے، جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو ہم کیوں کریں۔

حکایت (۵۷) فرمایا کہ بی بی کی صحنک شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں بھی ہوتی تھی اس کے خاص آداب ہیں یہ کہ کھانے والی کوئی دوخصمی نہ ہو۔ اس کو کوئی مرد نہ دیکھے وغیرہ وغیرہ ایک مرتبہ جب شاہ عبدالقادر کے یہاں بی بی کی صحنک ہو رہی تھی تو مولانا اسمٰعیل شہیدؒ وہاں پہنچ گئے، مولانا نے منع فرمایا شاہ صاحب نے مولانا سے فرمایا کہ اسمٰعیل یہ تو ایصال ثواب ہے، اس میں کیا حرج ہے مولانا نے فرمایا کہ حضرت پھر اس کے کیا معنیٰ ہیں (آیۃ وقالوا ھذہ انعام وحرث حجر لا یطعمھا الا من نشاء بزعمھم) (لو انناد پارہ (۸)، رکوع (۳)، سورۂ انعام) ان دونوں میں فرق کیا ہے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ واقعی درست ہے، ہمارا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا اور گھر میں عورتوں کو منع کر دیا کہ خبردار آئندہ اس کو ہرگز نہ کرنا۔

حکایت (۵۸) فرمایا کہ ایک شخص کا نام محمد کالے تھا اور وہ اپنا سجع لکھانا چاہتا تھا، اکثر نے انکار کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو گورے تھے کالے کہاں تھے اس میں جوڑ کیسے ملائیں، وہ مولانا اسمٰعیل شہید کے پاس پہنچا تو آپ نے فوراً سجع کہدیا کہ (ہردم نام محمد کالے)

حکایت (۵۹) فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل شہید بچپن میں بہت شوخ اور تیز طبیعت تھے شاہ عبدالعزیزؒ ہرچند چاہتے تھے کہ یہ وعظ میں آیا کریں مگر یہ بھاگتے تھے، ایک روز لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے آئے، شاہ صاحب اس وقت بیت الخلاء میں تھے ان کو

خبر نہ تھی۔ انھوں نے لڑکوں سے کہا کہ میں وعظ کہتا ہوں سُنو اور درخت کی سب سے اونچی ٹہنی پر چڑھ گئے اور شاہ صاحب کے وعظ کی بعینہٖ نقل کر دی بلکہ اور اپنی طرف سے نفیس افادات زیادہ کر دیئے، شاہ صاحب جب اندر سے نکلے تو سب کود کود کر بھاگ گئے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ اب تم کو وعظ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۶) مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

حکایت (۶۰) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جس کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے بھی سُنا ہے اور مولانا گنگوہی سے بھی اور مولانا نانوتوی سے بھی، اور اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب اورنگ آبادی سے بھی اور آخر میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سُنا ہے، بڑے میاں (مولوی محمد اسحٰق صاحب) اور چھوٹے میاں (مولوی محمد یعقوب صاحب) دونوں بھائی جب مکہ حرم میں داخل ہوتے تو دروازے پر جوتے چھوڑ جاتے، مگر باوجود اس کے کہ وہاں جوتہ کا محفوظ رہنا نہایت مشکل ہے اور سینہ کے سامنے سے اور سر کے سامنے سے خاص حرم کے اندر سے جوتہ اُٹھ جاتا ہے ان کا جوتہ کبھی چوری نہیں گیا۔ یہ واقعہ دیکھکر لوگ متعجب ہوتے اور ان حضرات سے پوچھتے کہ کیا وجہ ہے کہ آپ حضرات کا جوتہ چوری نہیں جاتا وہ فرماتے کہ جب ہم جوتہ اُتارتے ہیں تو چور کے لئے اس کو حلال کر جاتے ہیں اور چور کی قسمت میں حلال مال نہیں، اس لئے وہ انھیں نہیں لے سکتا یہ قصہ بیان فرما کر خان صاحب نے بیان فرمایا کہ میں نے یہ قصہ مولوی محمود حسن صاحب سے بیان کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ یہ اصل میں تعلیم تھی شاہ عبدالقادر صاحب کی جب شاہ صاحب کے زمانہ میں

اکبری مسجد میں سے جوتے چوری جانے لگے تو شاہ صاحب نے لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے جوتے چوروں کے لئے حلال کر دیا کرو پھر وہ انھیں نہ لیں گے۔

حکایت (۶۱) خانصاحب نے فرمایا کہ حافظ عبد الرحمٰن صاحب دہلوی کے بڑے بھائی بالکل غیر مقلد تھے مگر مولانا نانوتوی کی خدمت میں بہت حاضر باش تھے، حافظ عبد الرحمٰن بھی کسی قدر غیر مقلدی کی طرف مائل اور مولانا نانوتویؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور حافظ عبد الرحمٰن، مولوی فیض الحسن صاحب اور مولوی حسین خاں صاحب خورجوی کے شاگرد اور بہت سمجھدار اور اردو شاعری کے بڑے اُستاد تھے مگر خدا کی شان کہ نہ ان کا فارسی کا دیوان مرتب ہوا اور نہ اردو کا۔ دو شعر اُن کے مجھ یاد ہیں۔ صرف ان کی قابلیت دکھلانے کے لئے اُن کے شعر لکھواتا ہوں۔ غالب اور شہیدی کے جانی دشمن تھے، اس لئے ان کے کلاموں کو پلٹ دیا کرتے تھے، چنانچہ غالب کہتا ہے ؎

ہے خبر گرم ان کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

اس کو حافظ صاحب نے یوں پلٹا ہے۔ ؎

بچھ گیا میں جو گھر میں وہ (یا تم) آئے زہے قسمت کہ بوریا نہ ہوا

شہیدی کے قصیدے کا شعر ہے ؎

ہوا تجھ سا نہ ہو سکتا ہے میرا بھی ایمان ہے نہ مانو مسئلہ ہرگز کسی زندیق و مرتد کا

حافظ صاحب نے اسے یوں پلٹا ہے ؎

ترا ثانی بامکان وقوعی ہو نہیں سکتا نفی امکان مطلق کی مگر ہے قول مرتد کا

غرض اسی طرح اس کے پورے قصیدے کو رد کیا ہے۔ یہ حافظ عبد الرحمٰن صاحب بیان

کرتے تھے۔ نواب میر خاں سے جب انگریزوں سے صلح ہوگئی تو اس صلح کے اندر یہ امر طے ہوا تھا کہ وزیر الدولہ کو ہم اپنے زیر نگرانی رکھیں گے، مگر یہ انھیں اختیار ہوگا کہ وہ جہاں چاہیں وہاں رہیں۔ انھوں نے دہلی کو پسند کیا اور وہ دہلی رہنے لگے بچپن سے صالح تھے مولوی غلام جیلانی رامپوری اُن کے اُستاد تھے مولوی صاحب موصوف مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی کے ماموں تھے چونکہ نواب وزیر الدولہ بچپن سے نیک تھے اس لئے اُن کے پاس دہلی کے لڑکے جو اُن کے ہم عمر تھے بے تکلف آنے جانے لگے ان میں ایک لڑکا وہ تھا جو حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور حق گو بھی تھا، چونکہ عام طور پر اپنے استاد کی طرف خاص میلان ہوتا ہے۔ اس لئے وزیر الدولہ اپنے استاد کی اکثر تعریف کیا کرتے اور کبھی کبھی دہلی والوں کی تنقیص کر دیا کرتے تھے، مگر وہ لڑکا برابر اُن کی تردید کرتا رہتا تھا۔ اور یہ کہا کرتا تھا کہ آپ کے استاد ایسا عمامہ باندھتے ہیں ایسا انگرکھا پہنتے ہیں۔ ایسا پاجامہ پہنتے ہیں، ایسا جوتہ پہنتے ہیں مسند تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں دہلی والے بے چارے بوریوں پر بیٹھتے ہیں، دھوتر کا کرتہ پہنتے ہیں، گاڑھے کا پاجامہ پہنتے ہیں، ادھوڑی کا جوتہ پہنتے ہیں، مگر باوجود اس کے آپ کے استاد کے علم کو اُن کے علم سے کیا نسبت۔ ان کے علوم بہت گہرے ہیں۔ خدا کی شان کہ ایک روز کسی نے مولوی غلام جیلانی صاحب سے یہ سوال کیا کہ حضرت تعزیہ کا بنانا کیسا ہے، مولوی غلام جیلانی نے جواب دیا کہ بُرا ہے ہرگز نہیں بنانا چاہیئے، اُس نے کہا کہ بنے ہوئے تعزیئے کی توہین کرنا، مثلاً اسکو توڑنا پھوڑنا، اس پر پاخانہ پیشاب پھرنا کیسا ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہرگز نہیں چاہیئے ہاں اُسے دفن کر دے اس لئے کہ اس پر امام حسین رضی کا نام آگیا ہے لہٰذا اس کا احترام کرنا چاہیئے

یہ سنکر وہ لڑکا کھڑا ہوا اور اس نے بہت ادب سے یہ کہا کہ "مولانا گوسالہ پرکس کا نام آگیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔ اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے اور کوئی جواب بن نہ آیا۔ اس لڑکے نے اسی جلسہ میں نواب وزیرالدولہ کو سلام کیا اور کہا کہ حضور میں نہ کہتا تھا کہ دہلی والوں کے علوم بڑے گہرے ہیں۔ میں کبھی کبھی صرف میاں صاحب (شاہ محمد اسحاق صاحب) کے وعظ میں جا بیٹھا کرتا ہوں اس کا اثر یہ ہوا کہ وزیرالدولہ اس خاندان کے گرویدہ ہو گئے، اور سید صاحب سے بیعت بھی ہوئے۔

حکایت (۶۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ سید صاحب، مولوی عبدالحیٔ صاحب، شاہ اسحٰق صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب، مولوی اسمٰعیل صاحب، یہ حضرات سب کے سب متحد اور یک جان اور قوالب متعددہ تھے۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب کا انتقال ہو گیا۔ تو سب کو خیال ہوا کہ شاہ صاحب کا جانشین کسی کو بنایا جاوے، مولوی اسمٰعیل صاحب شاہ اسحٰق صاحب سے تیرہ برس بڑے تھے اور مولوی محمد یعقوب صاحب دس برس اور سید صاحب آٹھ برس ان سب کی رائے ہوئی کہ شاہ اسحٰق صاحب کو جانشین قرار دیا جاوے اور یہ طے ہو گیا کہ مدرسہ کے اندر صدر پر شاہ اسحٰق بیٹھیں اور کوئی نہ بیٹھے اور مدرسہ سے باہر جس طرح چاہیں بیٹھیں پس ان حضرات کا یہی معمول تھا کہ مدرسہ میں صدر پر شاہ صاحب بیٹھتے اور دوسرے لوگ خواہ سید صاحب ہوں یا مولوی عبدالحیٔ صاحب سب آپ کے سامنے باادب بیٹھتے اور نذر پیش کرتے۔ اور مدرسہ سے باہر سید صاحب صدر پر ہوتے تھے اور اگر وہ نہ ہوتے تھے تو مولوی عبدالحیٔ صاحب صدر پر ہوتے تھے اور شاہ اسحٰق صاحب

اور دوسرے لوگ ان کے سامنے باادب بیٹھتے تھے اور نذریں گذرانتے - اور مولوی اسمٰعیل صاحب نہ مدرسہ میں صدر رہوتے تھے نہ مدرسہ سے باہر -

حکایت (۶۳) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی محمود بھلتی اور نواب محمود علی خاں سے سُنا ہے، یہ حضرات فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے زمانہ میں ایک انگریز پادری دلّی میں آیا، یہ بہت قابل اور لسان اور مشہور پادری تھا، اس نے دلّی میں عام طور پر علماء کو مناظرہ کی دعوت دی اس وقت کے مولوی جو خاندان عزیزی کے مخالف تھے ان کو شاہ اسحٰق صاحب سے بہت کاوش تھی، انھوں نے اس پادری کو پٹی پڑھائی کہ تم شاہ اسحٰق صاحب سے خاص طور پر مناظرہ کی درخواست کرو کیونکہ شاہ صاحب بہت سیدھے اور بہت کم گو تھے اور زبان میں لکنت تھی اس لئے ان کو خیال تھا کہ یہ لسان پادری شاہ صاحب کو ضرور مات دے گا اور ان کو ذلت ہوگی اس پادری نے شاہ صاحب کو دعوت مناظرہ دی، شاہ صاحب نے بے تکلف منظور فرمالی - اس پر شاہ صاحب کے دوستوں کو بہت خیال ہوا - مولوی فرید الدین صاحب جو مراد آباد کے رہنے والے اور مولوی اسمٰعیل صاحب اور نواب رشید الدین خاں صاحب کے اچھے شاگردوں میں اور نہایت ذہین آدمی تھے، اور مولوی محمد یعقوب صاحب ان دونوں نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ مناظرہ نہ فرمائیں، آپ ہم کو اپنا وکیل بنائیں - شاہ صاحب نے فرمایا کہ اُس نے مجھی کو دعوت دی ہے میں ہی مناظرہ کرونگا وکیل بنانے کی ضرورت نہیں - بادشاہ بھی شاہ صاحب کا مخالف تھا - قلعہ میں مناظرہ کی ٹھیری - جب مناظرہ کا وقت آیا اس وقت سب لوگ قلعہ میں پہنچ گئے، اور مجلس مناظرہ منعقد ہوئی - خدا کی قدرت، جب وہ پادری شاہ صاحب کے سامنے آیا تو اس کے جسم پر

لرزہ پڑ گیا اور حواس باختہ ہوگیا۔ اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکال سکا۔ جب کچھ دیر ہوگئی تو شاہ صاحب نے اس پادری سے فرمایا کہ آپ کچھ فرمائیں گے یا میں ہی عرض کروں۔ اُس نے کہا آپ ہی فرمائیں، شاہ صاحب نے خوب زور شور کے ساتھ اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کے بطلان کے دلائل بیان فرمائے، وہ پادری ساکت محض تھا نہ اُس نے آپ کی تقریر پر کچھ خدشہ کیا اور نہ اپنی طرف سے کوئی سوال کیا۔ جب تمام لوگوں پر اس پادری کا عجز ظاہر ہوگیا۔ تب آپ نے ان مخالف مولویوں کی طرف جنھوں نے اس پادری کو اُبھارا تھا متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہمارے خاندان کا قاعدہ رہا ہے کہ وہ تفسیر سے پہلے توراۃ وانجیل وزبور پڑھا دیا کرتے تھے، کیونکہ بغیر ان کتابوں پر عبور ہوئے قرآن شریف کا لطف نہیں آتا، اسی قاعدہ کے مطابق مجھے بھی یہ کتابیں پڑھائی گئی تھیں۔ اور اس لئے میں عیسائی مذہب سے ناواقف نہیں ہوں اور یہ فرما کر فرمایا کہ اگر اسحٰق کو شکست اور ذلت ہوتی تو کچھ بات نہ تھی، کیونکہ مجھے علم کا دعویٰ ہی کب ہے لیکن اسلام تو تمھارا بھی تھا۔ اس سے تمام مخالفین پر پانی پڑ گیا اور مناظرہ ختم ہوگیا۔

حکایت (۶۴) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے ایک شاگرد اجمیر میں رہا کرتے تھے، انھوں نے حدیث لا تشد الرحال کا وعظ کہنا شروع کیا اور لوگوں پر اثر بھی ہوا۔ اتفاق سے شاہ اسحٰق صاحب کا اس زمانہ میں قصدِ ہجرت ہوگیا جب شاہ صاحب کے قصد کی ان کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے شاہ صاحب کو لکھا کہ جناب جب عازم سفر ہجرت ہوں تو اجمیر نہ تشریف لاویں، کیونکہ میں لا تشد الرحال کا وعظ کہہ رہا ہوں اور لوگ راہ پر آچلے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے جو کچھ اثر ہوا ہے اس کے غت ربود ہوجانے کا اندیشہ ہے، شاہ صاحب نے

اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں اجمیر کے قصد سے نہ آؤں گا لیکن چونکہ اجمیر راستہ میں پڑے گا اور خواجہ صاحب ہمارے مشائخ میں ہیں اس لئے مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ میں بلا حاضر ہوئے بالا بالا چلا جاؤں ہاں جب میں آؤں تم وعظ کہنا اور وعظ میں بیان کرنا کہ اسحٰق نے غلطی کی جو وہ اجمیر آیا، اس کا فعل حجت نہیں اور میرے سامنے کہنا اور یہ خیال نہ کرنا کہ شاید مجھے ناگوار ہو مجھے ہرگز ناگوار نہ ہوگا۔ اور میں اقرار کر لوں گا کہ واقعی میری غلطی ہے۔ اس سے وہ ضرر دفع ہو جاوے گا جس کا تم کو اندیشہ ہے، اور شاہ صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ مجاور اور قبر پرست ہمارے رقیب ہیں رقیبوں کے ڈر سے محبوب کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

حکایت (۶۵) خاں صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے ہر ایک رزیڈنٹ ملنے آیا کرتا تھا، شاہ صاحب اس کے لئے مونڈھا بچھوا دیتے تھے جو نذرانہ پیش کرتا تھا، شاہ صاحب موسم کا کوئی پھل اس کے پاس بھجوا دیتے تھے، جب شاہ صاحب کی وفات ہو گئی تو سب نے مل کر صدر حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کو مقرر کیا اور ان کو نذرانے دیتے تھے، حتیٰ کہ سید صاحب بھی بایں جلالت قدر نذر پیش فرماتے۔ شاہ اسحاق صاحبؒ مدرسہ میں پڑھا رہے تھے کہ رزیڈنٹ آیا۔ لیکن شاہ صاحب نے نہ اس کو دیکھا نہ ان کی مجلس میں کوئی تغیر آیا۔ شاہ صاحب ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے تھے، بعض کو تمنا تھی کہ شاہ صاحب کی آنکھ جو نہایت خوبصورت تھی دیکھیں مگر تمام عمر نہ دیکھ سکے۔ غرض رزیڈنٹ مدرسہ میں آیا اور ٹہلتا رہا۔ جب درس ختم ہوا تو شاہ اسحاق صاحبؒ کے پاس آکر بوجہ پتلون کے ٹانگ پھیلا کر وہیں چٹائی پر بیٹھ گیا تھوڑی دیر میں رخصت ہونے لگا تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے شاہ

صاحب مرحوم آپ کے لئے کچھ ہدیہ بھجوایا کرتے تھے مگر میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں کہ بھجواتا۔ جب ریزیڈنٹ چلا گیا تو بعض مسلمانوں ہی نے یہ کہکر شاہ صاحب کی طرف سے بدظن اور مشتعل کرنا چاہا کہ دیکھئے وہ حضور سے کیسی بے التفاتی سے پیش آئے وہ متکبر ہوگئے ہیں۔ اس پر ریزیڈنٹ نے اُسے ڈانٹا، کہا کہ خاموش میں اس شاہ کا امتحان لینے گیا تھا کہ وہ اتنی دنیا پر بیٹھ کر دنیا سے کتنا مستغنی ہے۔

(۷) حضرت سید احمد صاحب رائے بریلویؒ کی حکایات

حکایت (۶۶) خانصاحب نے فرمایا کہ ہندوستان میں السلام علیکم کا رواج بالکل متروک ہوگیا تھا۔ حتیٰ کہ شاہ صاحب کے خاندان میں بھی اس کا رواج نہ تھا اور جب وہ سلام کرتے تھے تو کہتے تھے۔ عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے، رفیع الدین تسلیمات عرض کرتا ہے، سید صاحب پہلے پہل شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سب سے پہلے انھوں نے شاہ صاحب کو سلام کرتے ہوئے السلام علیکم کہا ہے، جب شاہ صاحب نے ان کا سلام سنا تو بہت خوش ہوئے اور آپ نے حکم دے دیا کہ آئندہ سلام بطریق مسنون کیا جاوے۔ اسی دفعہ میں سید صاحب شاہ صاحب سے بیعت ہوئے اور چھ روز قیام فرما کر تشریف لے گئے، چھ مہینے کے بعد پھر آئے اور چھ مہینے شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں تربیت میں رہے، اس کے بعد شاہ عبدالقادر صاحب نے ان کو شاہ صاحب سے مانگ لیا اور پورے ڈھائی برس اکبری مسجد میں اپنی خدمت میں رکھا۔ جس کی تفصیل آئندہ نمبر میں آتی ہے۔

حکایت (۶۷) خان صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب بیعت ہونے کے بعد دوسری مرتبہ بغرض تعلیم حاضر ہوئے ہیں تو شاہ صاحب نے ان کو اس مسجد میں ٹھہرادیا جو ان کے مدرسہ سے تقریباً پچاس قدم کے فاصلہ پر واقع تھی جس میں شاہ صاحب اور طلبہ نماز پڑھا کرتے تھے اور تعلیم اشغال فرماکر حکم دیا کہ ہم سے ملاکرو اور تین شخصوں کو ان کی خدمت کے لئے مقرر کردیا، اور کہدیا کہ جس چیز کی سید صاحب کو ضرورت ہو تم لوگ اس کا انتظام کردیا کرو اور ایک ٹھلیا اپنے پاس سے دی اور فرمایا کہ روزانہ اس ٹھلیا میں سید صاحب کے لئے جمنا سے پانی لایا کرو (یہ تین شخص جن کو شاہ صاحب نے مامور فرمایا تھا ایک سید مٹھن علی خانپوری تھے، دوسرے قاری نسیم رامپوری، اور تیسرے ان کے چھوٹے بھائی جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ان میں سے تیسرے صاحب کو میں نے بھی دیکھا ہے، قاری نسیم مذکور اور ان کے چھوٹے بھائی دونوں اتنے بزرگ تھے کہ لوگ مولوی مظفر حسین صاحب کے تقوے کو اُن کے تقوے سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ اور یہ کہا کرتے تھے کہ مولوی مظفر حسین صاحب قاری نسیم اور ان کے چھوٹے بھائی کا نمونہ ہیں) سید صاحب نے چھ مہینے تک تعلیم حاصل کی۔ چھ مہینے کے بعد شاہ صاحب کے خاندان میں کسی کے یہاں شادی کی تقریب ہوئی، اس تقریب میں شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب تینوں بھائی موجود تھے اور شامیانہ تانا جارہا تھا۔ اس مقام پر ایک نیم تھا جس کی وجہ سے شامیانہ اچھی طرح نہ تنتا تھا بلکہ اس میں جھول رہتا تھا۔ اتنے میں سید صاحب بھی مسجد میں سے تشریف لے آئے، جب آپ نے یہ رنگ دیکھا تو کرتے کو کمر سے باندھ کر نیم پر چڑھ گئے اور نیم پر چڑھکر جو شامیانہ کو کھینچا تو شامیانہ بالکل ٹھیک تن گیا

اور جھول بالکل نکل گیا، سید صاحب کی یہ دیع شاہ عبدالقادر صاحب کو پسند آگئی اور انھوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد کو مجھے دیدیجئے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ لے جاؤ اور سید صاحب سے کہدیا کہ میاں عبدالقادر کے ساتھ جاؤ، شاہ عبدالقادر صاحب ان کو اپنے پاس اکبری مسجد میں لے آئے اور ایک حجرے میں رکھدیا اور اشغال کے لئے فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر کیا کرو۔ سید صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبدالقادر صاحب کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرتے رہے اور جو جگہ شاہ صاحب نے ان کو بتادی تھی سید صاحب خواہ مینھ ہو یا آندھی یا دھوپ برابر اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تھے اور جب تک شاہ صاحب نہ کہتے تھے کہ اب یہاں سے اٹھ جاؤ اس وقت تک نہ اٹھتے تھے، شاہ صاحب نے سید صاحب کو ڈھائی برس اپنی خدمت میں رکھا اور ڈھائی برس کے بعد ان کو لے کر شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں آئے اور شاہ صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد حاضر ہیں ان کو پرکھ لیجئے۔ پرکھا لیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں عبدالقادر تم جو کچھ کہتے ہو ٹھیک کہتے ہو۔ اب ان کو بیعت کی اجازت دے دو۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت اجازت تو آپ ہی دیں گے اور ان سے آپ ہی کا سلسلہ چلے گا۔ شاہ صاحب نے ان کو بیعت کی اجازت دیدی

حکایت (۶۸) خان صاحب نے فرمایا کہ جس زمانہ میں سید صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب سے تعلیم سلوک حاصل کر رہے تھے اس زمانہ میں شاہ صاحب نے ان کو تصور شیخ کی تعلیم کی سید صاحب نے فرمایا کہ حضرت اگر تصور شیخ طریقت کا موقوف علیہ ہے تو میں اس طریقت ہی کو چھوڑتا ہوں اور اگر یہ اس کا موقوف علیہ نہیں ہے تو

(اختیار طریق میں کچھ مضائقہ نہیں مگر اس تصور کو حذف فرما دیجئے) شاہ صاحب نے فرمایا کہ طریقت اس پر موقوف نہیں ہے تم تصور شیخ نہ کرو۔

حکایت (۶۹) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے مولانا محمد اسحٰق صاحب سے کافیہ شروع کیا تھا اور سید صاحب جب تشریف لائے تو انھوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے میزان شروع کی تھی اور اتنی جلدی ترقی کی کہ نصف سے آگے مجھے کافیہ میں پکڑ لیا۔ اور کافیہ ہی پڑھتے ہوئے انھوں نے مشکوٰۃ بھی شاہ صاحب سے شروع کردی اور کوئی کتاب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بھی پڑھتے تھے۔ یہ قصہ تو میں نے اپنے استاد سے سُنا ہے اور مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ جب سید صاحب تعلیم علوم حاصل کر رہے تھے اثنائے تحصیل میں ان کی یہ کیفیت ہوئی کہ جب وہ کتاب میں نظر کرتے تو اُن کی نظر سے حروف غائب ہو جاتے تھے، اس کے لئے طبیبوں کی طرف بھی رجوع کی گئی، مگر کچھ نہ ہوا، یہ قصہ جب شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جالی وغیرہ باریک چیزوں پر نظر جماؤ اور دیکھو کہ وہ بھی تمھاری نظر کے سامنے سے اُڑتی ہیں یا نہیں۔ سید صاحب نے اس کا تجربہ کیا تو کوئی باریک سے باریک چیز بھی نہ اُڑی اس کی اطلاع شاہ صاحب سے کی تو آپ نے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو۔ اس پر کسی خادم نے (جس کا نام مجھے یاد تھا مگر اب بھول گیا) عرض کیا کہ حضرت یہ بات کیا ہے اور آپ نے پڑھنا چھوڑنے کا حکم دیا آپ نے فرمایا کہ میں نے امتحان کا اس لئے حکم دیا تھا کہ اگر اور باریک چیزیں بھی اُڑتی ہوں تو جانا جاوے کہ مرض ہے۔ اور اس کا علاج کیا جاوے، جب معلوم ہوا کہ دوسری چیزیں نہیں اُڑتیں

تو ثابت ہوا کہ مرض نہیں ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ علم ظاہری ان کی قسمت میں نہیں ہے لہذا میں نے کہدیا کہ پڑھنا چھوڑ دو۔ اور فرمایا کہ ان کو تعلم سے پڑھنا نہ آئے گا بلکہ علم لدنی حاصل ہوگا۔

حکایت (۷۰) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جو میں بیان کروں گا میں نے اپنے استاد میانجی محمدی صاحب سے سُنا ہے وہ فرماتے تھے کہ سید صاحب جب سہارنپور تشریف لے گئے تو پوہی کی مسجد میں منبر کے اوپر کی سیڑھی پر بیٹھکر وعظ فرمایا اُن کے دونوں پاؤں کے بیچ میں مولوی عبدالقیوم ابن جناب مولوی عبدالحیٔ صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو کہ اس وقت بچے تھے اور مسجد میں ایک طرف مولوی عبدالحیٔ صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے، وعظ جب نصف سے زیادہ ہو گیا تو مولوی عبدالحیٔ صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کو اشارہ سے اٹھایا اور اٹھاکر اس طرف لے گئے جس طرف قریب ہی میں بھی پیچھے پیچھے گیا اور وہاں جاکر فرمایا کہ سید صاحب نے یہ مضمون پہلے بھی بیان فرمایا ہے اور میں نے اور تم نے اس کو لکھ بھی لیا ہے، لیکن اس وقت جو کچھ فرما رہے ہیں یہ تمھاری سمجھ میں بھی آتا ہے یا نہیں، مولوی اسمٰعیل صاحب نے کہا کہ کچھ کچھ آتا ہے اس پر مولوی عبدالحیٔ صاحب نے فرمایا کہ سچی بات یہ ہے کہ میں نے تو بہت زور لگایا مگر میری سمجھ میں تو نہیں آیا، اب اس سمندر کو ہم اپنی کلھیا میں کیونکر بند کریں، سید صاحب سے عرض کرنا چاہیئے کہ حضرت مضمون کو ذرا آسان کر کے بیان فرمایا کریں تاکہ ہم لوگ سمجھ سکیں یہ کہکر دونوں صاحبان پھر اپنی اپنی جگہ آبیٹھے۔ قصہ ختم ہوا۔ خانصاحب نے فرمایا اس قصہ کو میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب کے سامنے بیان کیا، انھوں نے اسکی تصدیق کی اور فرمایا کہ جب اس وعظ میں میں سید صاحب کے دونوں پاؤں کے درمیان

بیٹھا تھا تو چونکہ میں چھوٹا بچہ تھا اس لئے سید صاحب کے پاؤں کو چھیڑ رہا تھا کبھی اس پاؤں کو چھیڑتا تھا، کبھی دوسرے پاؤں کو۔ اور چھیڑتا اس طرح تھا کہ قدم پر ہاتھ رکھکر گدگداتا ہوا اوپر کو لے جاتا تھا۔ لیکن جب میرا ہاتھ نصف ساق سے اوپر جاتا فوراً سید صاحب اُسے نیچے اُتار دیتے تھے، بہت سی دفعہ میں نے ایسا ہی کیا اور سید صاحب نے ہمیشہ میرے ہاتھ کو نیچے اُتار دیا۔

اس قصہ کو بیان فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ جب میں اوّل مرتبہ حضرت گنگوہی کی زیارت کے لئے گنگوہ جا رہا تھا تو سہارنپور پہنچکر مغرب کی نماز میں نے پونی کی مسجد میں پڑھی گو مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ پونی کی مسجد ہے، مگر میں نے اُسے پہچان لیا اور جب لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی پونی ہی کی مسجد ہے۔ اور میں نے صحیح سمجھا تھا۔

حکایت (۷۱) خان صاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میانجی محمدی صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب سید صاحب سیر کو تشریف لے جاتے تھے تو بڑے بڑے لوگ تسکا ربند پکڑا کرتے تھے ہم بھی چاہتے تھے کہ یہ شرف ہمیں بھی نصیب ہو مگر ہمیں موقع نہ ملتا تھا لیکن ایک روز موقع مل گیا اور میں تسکار بند پکڑے ہوئے سید صاحب کے ساتھ چلا۔ خانم کے بازار میں ایک کوچہ تھا اور اس کوچہ کے نکڑ پر ایک رنڈی کا مکان تھا اور اس میں جو رنڈی رہتی تھی وہ نہایت حسین اور پڑھی لکھی تھی اور اس کے یہاں معمولی آدمیوں کا گذر نہ تھا بلکہ بڑے بڑے لوگ بیٹھا کرتے تھے، سید صاحب جب اس کے مکان کے پاس کو نکلے تو اتفاق سے وہ اپنے دروازہ پر کھڑی تھی اور تمام لباس سرخ تھا، سید صاحب اس جگہ ذرا ٹھٹکے اور ایک نظر اس کی طرف دیکھا، اس کے بعد گھوڑا بڑھا کر آگے

روانہ ہو گئے۔ آپ بیس پچیس قدم ہی چلے ہوں گے کہ اتنے میں وہ رنڈی روتی ہوئی اور یہ آواز دیتی ہوئی آئی کہ "اے میاں سوار خدا کے واسطے ذرا گھوڑا روک لے۔ آپ نے گھوڑا روک لیا۔ اور وہ بے تحاشا گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں کو لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سید صاحب ہر چند فرماتے ہیں کہ بی سُن تو سہی بات تو بتلا تو کون ہے اور کیوں روتی ہے گھوڑے کے پاؤں چھوڑ دے اور اپنا مطلب کہہ مگر وہ نہیں مانتی اور برابر گھوڑے کے پاؤں پکڑے ہوئے رو رہی ہے۔

تھوڑی دیر میں اُسے افاقہ ہوا اور اُس نے کہا کہ میاں میں بیوہ ہوں اور توبہ چاہتی ہوں اور کچھ نہیں چاہتی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اس وقت تیرے مکان میں کچھ لوگ ہیں اُس نے کہا کہ جی ہاں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ توبہ کے بعد نکاح بھی کرے گی اس نے کہاں جی ہاں نکاح بھی کروں گی اور جو آپ فرمائیں گے وہ کروں گی۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا دل کسی سے نکاح کو چاہتا ہے تو اس نے کہا کہ جی ہاں فلاں سے آپ نے فرمایا کہ وہ کہاں ہے، اُس نے کہا کہ اس وقت میرے مکان میں ہے، آپ نے فرمایا کہ مکان میں کوئی اور بھی ہے اُس نے کہا جی ہاں کئی آدمی ہیں، سید صاحب نے اُس طوائف سے اور مجھ سے فرمایا کہ جاؤ سب کو بلا لاؤ۔ ہم گئے تو اس وقت دس آدمی تھے ان میں سے نو تو آ گئے مگر وہ نہیں آیا جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی تھی، جس شان کو وہ رنڈی آئی تھی اسی شان سے یہ لوگ بھی آئے، اور وہ بھی سب کے سب تائب ہو گئے۔ اب آپ نے رنڈی سمیت سب سے فرمایا کہ "تم لوگ اکبری مسجد میں چلو میں بھی آتا ہوں، چنانچہ وہ سب لوگ اکبری مسجد میں چلے گئے اور آپ آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میاں محمدی تم نے دیکھا کہ ہم نے کیا

کیا - میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور دیکھ لیا - آپ نے فرمایا کہ میاں سنو - اس قسم کی باتیں یہود نصاریٰ مجوس اور جوگی بھی کرتے ہیں، بعض میں نظر کی قوت ہوتی ہے بعض میں دماغی بعض میں قلبی، بعض میں آواز کی قوت ہوتی ہے، مگر وہ قوت کسبی ہوتی ہے اور مجھے جو قوت عطا ہوئی ہے وہ وہبی ہے اگر تم کسی کے اندر ایسی قوت دیکھو تو میں نصیحت کرتا ہوں کہ فوراً اس کے معتقد نہ ہو جانا اور اس کو بزرگ نہ سمجھ لینا، بلکہ جس کو تبع سنت دیکھو تو گو ان قوتوں میں سے کوئی قوت بھی اس کے اندر نہ دیکھو اُس کے معتقد ہونا یہ فرما کر آگے چلے اور جنگل میں پہنچکر فرمایا کہ الحمدللہ میں اللہ کا وہ بندہ ہوں جس کے لئے مچھلیاں پانی میں اور چیونٹیاں سوراخوں میں دعا کرتی ہیں اور جس طرف کو میں نکل جاتا ہوں وہاں کے درخت اور جانور تک مجھے پہچانتے اور سلام کرتے ہیں، اس قصہ کو یہاں چھوڑ کر میں اس وقت مولانا نانوتوی کا ایک ملفوظ سُناتا ہوں جو اس مقام کے مناسب ہے، آپ نے فرمایا کہ قبول عام کی دو صورتیں ہیں ایک وہ قبول جو خواص سے شروع ہو کر عوام تک پہنچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو اور اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے، پہلا قبول علامت مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا کیونکہ حدیث میں جو مضمون علامت مقبولیت آیا ہے وہ یہ ہے کہ اوّل بندہ سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں - پھر وہ ملاء اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں اور ملاء اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو یہاں تک کہ وہ حکم اہل دنیا تک آتا ہے، اور جو ترتیب ملاء اعلیٰ میں تھی، اُسی ترتیب سے اُس کی محبت دنیا میں پھیلتی ہو کہ پہلے اُس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کے بعد دوسروں کو پس جو مقبولیت اس کے برعکس ہوگی وہ دلیل مقبولیت نہ ہوگی - اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو - جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی رسالت کا اعلان فرمایا ہے تو اوّل وہ لوگ معتقد ہوئے جو اس زمانہ میں سب سے اچھے تھے، اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے کم تھے اس کے بعد وہ لوگ جو اُن سے کم تھے اور اخیر میں اچھے اور بُرے سب زیر اثر آگئے حتیٰ کہ کچھ آپ کے ماننے والے منافقین بھی تھے اور اسی بنا پر جو ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے وہ سب سے افضل ہیں اور ان کے بعد وہ جو احد سے پہلے مسلمان ہوئے، پھر وہ جو غزوۂ خندق سے پہلے مسلمان ہوئے، پھر وہ جو صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور فتح مکہ کے بعد تو سب ہی مطیع ہو گئے اور آپ کی مقبولیت بہت ہی عام ہو گئی، یہ بیان فرما کر فرمایا کہ سید صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے خاندان کی مقبولیت بھی اسی ترتیب سے ہوئی ہے کہ اول ... کے معتقد اہلِ کمال ہوئے ہیں اور اس کے بعد ان کی مقبولیت عام ہوئی ہے اور اسی طرح ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کی مقبولیت عام ہوئی ہے کہ اول ان کے معتقد خواص ہوئے اس کے بعد اُن کی مقبولیت عام ہوئی، مگر حاجی شاہ مقبولیت اول کن لوگوں میں ہوئی؟ ایسے ہی ولیوں میں اور عموم شہرت کے بعد اگر کوئی اللہ کا بندہ پھنس گیا تو وہ قابل اعتبار نہیں، اسی سلسلہ میں مجھے ایک اور قصہ یاد آگیا وہ یہ کہ ایک مرتبہ حاجی شاہ علی گڈھ آئے چونکہ مشہور آدمی تھے، اس لئے نواب لطف علیخاں صاحب کو بھی اُن سے ملنے کا شوق ہوا، اور اُنھوں نے گاڑی منگائی، جب اُنھوں نے پائیدان پر پیر رکھا تو اتفاق سے ایک خادم نے کہا کہ میاں آج حاجی صاحب کے پاس تمام شہر کی رنڈیاں اکٹھی ہو کر آئی تھیں۔ مگر نواب صاحب نے اس کو غلط سمجھا اور بہت ناخوش ہوئے، دوسرے خادم نے دیکھا کہ نواب صاحب کو

یقین نہیں آیا تو اُس نے کہا کہ میاں واقعی ایسا ہوا ہے، جب انھوں نے سمجھ لیا کہ واقعہ ٹھیک ہے تو نواب یوسف علی خاں سے فرمایا کہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" یہ شخص ملنے کے قابل ہے ہم تو اس واسطے جاتے تھے کہ ان کی صحبت سے خدا کی محبت، نیکیوں کی طرف رغبت، گذشتہ گناہوں پر ندامت اور آئندہ گناہوں سے نفرت پیدا ہوگی مگر معلوم ہوا وہ بڑا شہدہ ہے ہم چھوٹے شہدے، پھر ہم کیوں جائیں، یہ کہکر جانا موقوف کردیا اور گاڑیبان کو حکم دیا کہ گاڑی لے جاؤ ہم نہ جائیں گے۔ اس کے بعد ایک اور قصہ یاد آگیا۔ نواب لطف علی خاں کوئی مقدس لوگوں میں نہ تھے، مگر بزرگوں سے تعلق تھا، لیکن اس تعلق کا یہ اثر تھا کہ باوجود اس کے کہ سر سید سے ان کی بہت دوستی تھی مگر جب ان کے تیجے کے چنے پڑھے گئے ہیں اور مولوی ...... انصاری اس میں شریک ہوئے تو اس روز سے نواب صاحب نے مولوی ...... سے سلام کرنا چھوڑ دیا تھا یہ شاہ صاحب کے خاندان کے ان متوسلین کی حالت تھی جو دنیادار تھے ان ضمنی مضامین کے بعد اصل قصہ کی طرف لوٹتا ہوں، میاں جی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب ببر سے لوٹ کر اکبری مسجد میں آئے تو وہ رنڈی اور وہ نو آدمی سب کے سب اکبری مسجد میں موجود تھے، آپ نے سب کو بیعت کیا، اور اُن میں سے ایک شخص کے ساتھ جس سے وہ رنڈی رضامند ہوگئی تھی اس کا نکاح کردیا اور وہ رنڈی باوجودے کہ بہت دولت مند تھی مگر اس نے اپنی تمام دولت اور گھر بار چھوڑ دیا اور پھر اپنے گھر نہیں گئی۔ جب سید صاحب نے سکھوں پر جہاد کیا ہے تو یہ سب لوگ جہاد میں شریک ہوئے اور وہ نو آدمی تو شہید ہوگئے۔ مگر اس رنڈی کا حال نہیں معلوم ہوا کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ یہ رنڈی ایک دوسری رنڈی کے ساتھ (جو مولوی اسمٰعیل صاحب

شہید کے ہاتھ پر تائب ہوئی تھی اور اس رنڈی کا نام موتی تھا اور اس کی توبہ کا قصہ حکایت گذشتہ میں آچکا ہے ، مجاہدین کے گھوڑوں کا دانہ دلا کرتی تھی اور دانہ دلتے دلتے اس کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے ، حافظ محمد اکبر صاحب خانپوری بیان فرماتے تھے کہ میں نے ان دونوں رنڈیوں کو دیکھا ہے ، ایک مرتبہ میں نے اُن سے پوچھا کہ بتلاؤ تو سہی تم اپنی پہلی حالت میں خوش تھیں یا اس حالت میں ، تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم درحقیقت مصیبت میں تھے اور اب ہمیں جو راحت ہے اس کو ہم بیان نہیں کر سکتے ، اس وقت ہمارے ایمان کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم اپنے ایمان کو پہاڑ پر رکھدیں تو پہاڑ بھی زمین میں دھنس جائے ۔

حکایت (۷۲) خانصاحب نے فرمایا کہ سید صاحبؒ تیرھویں صدی کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوئے ہیں ، اس پر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے سُنکر فرمایا کہ الحمدللہ اللہ کو ایک بندہ پیدا کرنا تھا سو پیدا ہو گیا ۔

حکایت (۷۳) فرمایا کہ سید صاحبؒ جس وقت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں تھے تو شاہ صاحبؒ نے ان کو شغل رابطہ بتلایا تو سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس شغل سے عذر فرما دیا ۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا ؎

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید ۔۔۔ کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

تو سید صاحب نے جواب دیا آپ کسی معصیت کا حکم دیجئے کر لوں گا یہ تو معصیت نہیں شرک ہے یہ تو گوارا نہیں ، شاہ صاحب نے یہ سنکر ان کو سینہ سے لگالیا کہ اچھا ہم تم کو طریق نبوت سے لے چلیں گے ، تم کو طریق ولایت سے مناسبت نہیں ہے ۔

دوسرا واقعہ سید صاحبؒ کے انقیاد کا امیر شاہ خاں صاحبؒ نے امیر الروایات میں

یہ لکھا ہے کہ جب شاہ عبد القادر صاحبؒ شاہ صاحب سے مانگ کر ان کو اپنے پاس لے گئے تو آپ نے مسجد میں ایک جگہ بتلادی تھی کہ اس جگہ بیٹھکر ذکر و شغل کیا کرو رفتہ رفتہ برسات کا زمانہ آگیا، ایک روز شاہ صاحب نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ موسلا دھار بارش ہورہی ہے اور یہ اسی میں بیٹھے ہیں۔ سید صاحب سے پوچھا کہ تم بارش میں کیوں بیٹھے ہو تو فرمایا کہ آپ ہی نے تو یہ موقع بتلایا تھا، ہمارے حضرت نے فرمایا یہ ہے اطاعت شاہ صاحب کو وہم بھی نہ تھا کہ میرے بتلانے کو ایسا عام سمجھیں گے مجھے یقین ہے کہ اگر تمام برسات اور جاڑہ بھی گذر جائے جب بھی سید صاحب اس جگہ سے نہ اٹھتے (مدعی اس واقعہ سے سبق حاصل کریں کہ شیخ کی موافقت کیسی ہوتی ہے، اور شروع کے واقعہ میں اختلاف کو دیکھئے کیسا ہوتا ہے اللہ اکبر اتفاق ہو تو ایسا، اور اختلاف ہو تو ایسا، اور پیر بھی کیسے کہ کچھ نہ فرمایا حقیقت کو سمجھ کر خوش ہوئے) اور یہ فرمایا کہ اگر کہیئے تو معصیت اختیار کرلوں اس سے معصیت میں اطاعت مقصود نہیں بلکہ اس کا امر اہون ہونا شرک سے مقصود ہے، بزرگوں کے کلام کا محمل سمجھنا بڑا کام ہے۔ ؎

ہزار نکتہ باریک تر زمو ایں جاست   نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

حکایت (۴۷) سید صاحب توحید و رسالت اور اتباع سنت پر لوگوں سے بیعت لیتے تھے اور بس سید صاحب اتباع سنت کے لئے از حد تاکید فرمایا کرتے تھے اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے۔ مولوی عبد الحئی صاحب سے ایک دن فرمایا کہ اگر کوئی امر مخالف سنت مجھ سے ہوتا دیکھو تو مجھے اطلاع کردینا۔ مولوی صاحب نے کہا حضرت جب کوئی مخالف سنت فعل آپ سے عبد الحئی دیکھے گا، تو وہ آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں؟ یعنی ہمراہی چھوڑ دوں گا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے سید صاحب نے شادی کی تھی نماز میں کچھ دیر سے آئے۔ مولوی صاحب نے سکوت کیا کہ شاید نئی شادی کی وجہ سے اتفاقیہ کچھ دیر ہو گئی۔ اگلے دن پھر ویسا ہی ہوا کہ سید صاحب کو اتنی دیر ہو گئی کہ تکبیر اولیٰ ہو چکی تھی۔ مولوی عبدالحئی صاحب نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ "عبادت الہٰی ہو گی یا شادی کی عشرت" سید صاحب چپ رہے اور اپنی غلطی کا اقرار کیا، اور پھر نماز میں اپنے معمولی طریق پر تشریف لانے لگے۔

حکایت ⑦⑤ ایک بار ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کے لئے پٹنہ عظیم آباد سے کوئی شخص تین سو ساٹھ جوڑے تیار کر کے بھیجا کرتے تھے کہ حضرت ہر روز نیا جوڑہ زیب تن فرماویں۔ لیکن غائب ہونے سے کچھ دن قبل فرمایا کرتے تھے کہ لوگو اگرچہ میں ہر روز جوڑہ بدلتا ہوں لیکن اگر امر خدا یہ ہو کہ میں کملی پہنوں اور بھینس کے گوبر میں دھنس جاؤں تو بندہ کا کام ہے کہ راضی برضا ہو۔ اس کلمہ کو بار بار کچھ کچھ دنوں میں فرمایا کرتے آخر ایک مرید افغان نے کہا "کیا ہم سے تم جدا ہونا چاہتا ہے یہ کیا معاملہ ہے کہ بار بار ایسا کلمہ کہتا ہے"۔ سید صاحب نے فرمایا کہ واقع میں بندہ کو خدا کے حکم کی تعمیل میں ہر حالت مستعد رہنا چاہیئے۔

تمت

محمد طیب غفرلہٗ
مہتمم دار العلوم دیوبند
۱۴؍ ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ